

# سنڌي ڪتاب

حيدر علي لغاري  
محمد نواز نوناري

نظر ثاني  
محمد ابراهيم جويو



سنڌي ٻوليءَ جو با اختيار ادارو  
حيدرآباد - سنڌ

سنڌي ٻوليءَ جي بااختيار اداري طرفان غير مادري زبان وارن لاءِ  
خاص اشاعت

---

# سنڌي ڪتاب



حيدر علي لغاري  
محمد نواز نوناري  
نظر ثاني  
محمد ابراهيم جويو



سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو  
حيدرآباد- سنڌ  
پاڪستان

سنڌي ٻوليءَ جي بااختيار اداري جا سڀ حق ۽ واسطا قائم

---

چاپو : پهريون  
سال : 1415 هـ / جنوري 1995  
تعداد : 3000  
قيمت : 15 روپيا

## ملڻ جو هنڌ

سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو  
نزد سنڌ صوبائي ميوزيم نيشنل هاءِ وي،  
حيدرآباد سنڌ

۽

مرڪزي ڪتاب گهر نمبر - 16  
نسيم شاپنگ سينٽر - مڪ بس اسٽاپ  
قاسم آباد، حيدرآباد، سنڌ

---

هي ڪتاب سنڌي ٻوليءَ جي بااختيار اداري جي ڪمپيوٽر تي ڪمپوز ٿيو ۽  
اداري پاران اشاعتي نگران امين لغاري ايجوڪيشنل پريس ڪراچي مان  
چپائي حيدرآباد سنڌ مان پڌرو ڪيو.

## ترتیب

صفحہ		حصہ اول (اردو)
12	محمد نواز نوناری	حروف تہجی
18	=	اجزاء کلام
36	=	زمان
39	=	مختلف چیزوں کے نام
		حصہ دو پیوستہ (نثر)
49	حیدر علی لغاری	شاہ عبداللطیف یتانی
53	=	سچل سرمست
57	=	مرزا قلیچ بیگ
61	=	علامہ آء- آء قاضی
65	=	خواجہ غلام فرید
69	شیخ نیاز احمد	میر عبدالحسین سانگی
72		پیر حسام الدین راشدی
76	حیدر علی لغاری	رئیس غلام محمد خان پرگڑی
82	=	سر حاجی عبداللہ ہارون
86	گریختائی	عمر مارٹی
93	=	سسٹی پنہون
100	=	سورن راء ڈیاچ
104	=	لیلا چنیسر
110	=	نوری
113	احمد بشیر، مترجم:	سندو
	عبدالرسول نظاماٹی	
		حصہ تینون (نظم)
123		شاہ کریم رح
124		شاہ عبداللطیف یتانی رح
126		مخدوم محمد ہاشم نٹوی رح
127		سچل سرمست رح
128		خلیفو گل محمد

## پہلی بات

زمین و آسمان کی تخلیق اور رنگ و زبان کے اختلافات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں (آیات) قرار دیا ہے۔

”سنڌي ٻوليءَ جو با اختيار ادارو“ (مقتدرہ سندھی زبان) کے قیام کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں سندھی زبان کی تدریس کا عمدہ بندوبست کیا جائے، تاکہ ہمارے درمیان لسانی تفہیم اور قربت پیدا ہو سکے۔ ایک کثیر لسانی معاشرہ میں قومی زبان کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کے فروغ و تدریج کے باعث مواقع کا ہونا لازم ہے۔

اس سلسلہ کی پہلی کتاب اردو کے وسیلے سندھی زبان کی تدریس کی کوشش ہے۔ ایسی درسی کتابوں کے ساتھ تدریس سندھی کے مراکز قائم کئے جائیں گے، تاکہ یہ کتابیں لائق اساتذہ کی نگرانی میں استعمال کی جاسکیں۔

کسی زبان کی تدریس کے تین بنیادی مقاصد ہوتے ہیں۔ بولنا، پڑھنا اور لکھنا۔ ہمارے روایتی طرزِ تدریس میں لکھنے اور پڑھنے پر زیادہ زور دیا گیا۔ آپ کو بہت سے ایسے عالم ملیں گے جو عربی فارسی کے لکھنے اور پڑھنے میں مہارت رکھتے ہیں اور ان زبانوں میں اعلیٰ علمی کتابوں کے مصنف ہیں، لیکن بولنے میں وہ نسبتاً عاجز نظر آتے ہیں، حالانکہ زبان کا اولین مقصد کلام اور گفتگو ہے۔

اب زبانوں کی آوازوں کو صحت کے ساتھ لکھنے کے لئے IPA یعنی International Phonetic alphabet (بین الاقوامی صوتیاتی رسم خط) استعمال ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ ہم زبانوں کے اساتذہ کے لئے مستقبل قریب میں تربیتی کورس شروع کریں گے۔ ہمارے ادارے کو خوشی ہوگی کہ ہم سندھی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے اساتذہ کی بھی خدمت کر سکیں گے۔

میرا خیال ہے کہ زیر نظر کتاب آج کے حالات میں اپنے مقاصد کو پورا کرے گی، اور ہمارے اساتذہ کی نگرانی میں سندھی زبان سیکھنے والے خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات خالص سندھی آوازیں ادا کر سکیں گے۔ کتاب میں ان آوازوں کے مخارج کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

هن ڪتاب ۾ سنڌ جي مختلف شخصيتن جو احوال ڏنو ويو آهي. ان کان علاوه ڪي رومانوي داستان پڻ ڏنل آهن. هڪ مضمون سنڌو درياھ بابت آهي. اميد ته انهن مضمونن مان سنڌي ڪتاب پڙهندڙن کي سٺي معلومات ملندي.

هن ڪتاب جو اردو حصو محترم محمد نواز نوناريءَ لکيو آهي ۽ سنڌي حصي جو ليکڪ ۽ مرتب محترم حيدر علي لغاري آهي. هن ڪجهه مضمون پاڻ لکيا آهن، ته ڪجهه مضمون مختلف ڪتابن ۽ رسالن تان ورتا آهن.

هيءُ ڪتاب سنڌ جي هر دلچسپ ۽ ادب پرور شخصيت سائين عبدالله شاه صاحب، وزير اعليٰ سنڌ، جن جي هدايتن موجب لکيو ويو آهي. شاه صاحب جي دلي تمنا آهي ته نفرتن کي نهوڙي، ڪلفتون ڪوري، پيار ۽ محبت، ايڪي ۽ الفت واري فضا قائم ڪجي. اچو ته شاه

لطيف، قلندر شهباز ۽ سچل سرمست جي هن سر زمين کي سرسبز ۽  
شاداب ڪريون، سمورا ويڇا وساري شاهه سائينءَ جي پيار ۽ امن وارو  
پيغام عام ڪريون.

هلو هلو ڪورئين، نازڪ جنين جو نينهن،  
ڳنڍين سارو ڏينهن، چنڻ مُور نه سڪيا.  
(شاهه)

ڊاڪٽر نواز علي شوق  
چيئرمين  
سنڌي ٻوليءَ جو بااختيار ادارو  
حيدرآباد سنڌ

ڪراچي  
۵ جنوري ۱۹۹۵ع

## پیش لفظ

اسلام کی آمد کے بعد ہند آریائی تہذیب اور معاشرے میں نئی اور مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اور ایک نئی ترکیبی ہیئت وجود پذیر ہوئی جس نے جہاں معاشرے کی دوسری اقدار اور ذیلی تہذیبی ہیئتوں کو متاثر کیا۔ وہاں اس نے زبان، اظہارِ بیاں، ادب اور فنون لطیفہ کی ہیئتوں اور رشتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا۔ لہذا سندھی زبان میں علم و ادب، فنون لطیفہ اور دیگر تہذیبی اور ثقافتی شعبوں میں نظریہء توحید نے اپنے انقلابی اثرات ثبت کیئے۔ کئی برسوں تک سندھی زبان کا رسم الخط دیوناگری رہنے کے باوجود سندھ میں اسلامی اقدار کے فروغ اور عربوں سے تعلقات کے نتیجے میں سندھی زبان کا رسم الخط بھی عربی رسم الخط میں تبدیل ہوا۔

ویسے مغلوں، ان کے ہم قوم ارغونوں اور ترخانوں کے دور حکمرانی میں فارسی زبان کو پنپنے کا موقع ملا، اُس کا اثر و رسوخ اُمر اور دربار کے دوسرے اراکین تک محدود رہا۔ بہر حال سندھ میں کلھوڑا اور تالپوروں کے عہدِ حاکمیت تک سندھ کی درباری اور سرکاری زبان فارسی ہی رہی۔ عہدیدار اور منصب دار مخصوصاً اسی زبان میں تقریر و تحریر کے جوہر دکھاتے تھے۔

اس دور میں بعض سندھی نژاد شعراء اور ادبا نے فارسی زبان میں طبع آزمائی کی، لیکن اس کے باوجود نمایاں نمائندہ عوامی ادب سندھی زبان ہی میں مقبول ہوا، جس کا ثبوت قاضی قاضن (قادن)، شاہ کریم بلڑی والے، اور شاہ عبداللطیف رحہ کا شہرہ آفاق کلام ہے۔ انگریزوں نے سندھ پر



قبضہ کیا، تو انہیں سماجی اور سیاسی جائزے کے بعد یہ اندازہ اور احساس ہوا کہ سندھ کے سبھی لوگ اپنی مادری زبان کو جو اہمیت اور حیثیت دیتے ہیں اور اُس کے ساتھ ان کا والہانہ فطری لگاؤ ہے کسی اور زبان سے نہیں۔ اور مشاہدہ کے بعد انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سندھی زبان اپنی قدامت کے باوجود جدید علمی، ادبی اور فنی رجحانات کو بھی اپنے اندر سمیٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ اور مزید یہ کہ اس میں شعر و ادب کا بیش بہا خزانہ موجود ہے، لہذا انہوں نے سندھی زبان کو نہ فقط تعلیمی اور تدریسی زبان کے طور فروغ دینے کا اہتمام کیا، بلکہ اس کو دفاتروں میں سرکاری زبان کا بھی درجہ دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں کی ہنر و کوشش سے سنہ 1853ء میں سندھی زبان کے پرانے رسم الخط کی جگہ موجودہ معیاری رسم الخط کو آخری شکل دے کر اُسے سندھ کے تعلیمی، تدریسی، سرکاری اور دفتری اداروں میں مروج کیا گیا۔

جب پاکستان وجود میں آیا تب بھی اس وقت کی سرکار نے یہ بجا طور پر محسوس کیا کہ سندھ صوبے میں جو لوگ سرکاری افسر کے طور پر مقرر ہوئے ہیں اور ان میں جن کی مادری زبان سندھی نہیں ہے، اُن کو سندھی سکھائی جائے۔ اُس کے لیئے ایک قانون بنایا گیا جس کے تحت ایسے افسران کو ایک مقرر میعاد میں سندھی زبان کو لکھنے اور پڑھنے کا خاصا ملکہ حاصل ہونا چاہیئے، لہذا اس پر عمل ہوا۔ اور ہمارے نئے آنے والے بھائیوں اور ساتھیوں نے بھی سندھی زبان کو نہایت محبت اور لگن سے سیکھا، اور اُس میں مہارت حاصل کی جس کی وجہ سے نہ صرف انتظامی

اُمور کے عمل و نفاذ میں آسانی پیدا ہوئی، بلکہ صوبے میں اردو، پنجابی، پشتو اور سندھی زبانیں بولنے والوں میں آپس میں میل میلاپ، اخوت اور محبت کا ایک خوشگوار ماحول پروان چڑھا۔ اسی عمل کو زیادہ پختگی اور دوام بخشنے کے لیئے موجودہ حکومت نے اُسی حکمت عملی کو آگے بڑھانے کا ایک خوش آئند پروگرام مرتب کیا ہے۔ تاکہ اس باہمی ربط اور رشتے کی فضا کو برقرار رکھا جائے اور صوبے میں مختلف زبانیں بولنے والوں کو ایک دوسرے کی زبان، تہذیب اور ثقافت کی اقدار کو سمجھنے کا موقع فراہم ہو۔ اور اُسی نسبت سے ایک دوسرے کے لئے عزت اور احترام کے جذبات پیدا ہوں، اور انتظامی اُمور کے علاوہ مختلف سماجی، سیاسی، تدریسی اور فنی شعبوں میں ہم لوگ ایک دوسرے کی میراث سے واقف ہوں، اور ایک دوسرے کے اور قریب آنے میں ہمیں مدد مل سکے۔

ہم وزیر اعلیٰ سندھ سید عبداللہ شاہ کی اس نیک نیتی اور دور اندیشی کے اقدام کو سراہتے ہوئے اُمید رکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ کسی ایک وزیر اعلیٰ، کسی ایک سیاسی پارٹی یا کسی ایک انتظامی دائرے تک محدود نہیں رہے گا۔

حیدر علی لغاری

## رسم الخط

سندھی رسم الخط بصورت نسخ عربی رسم الخط پر مبنی ہے، جس میں حسب ضرورت چھ حروف صحیح (Consonants) کے اضافے سے سندھی رسم الخط کو مکمل کیا گیا ہے۔ زیر، زیر اور پیش وغیرہ علامات کے استعمال سے یہ رسم الخط سندھی زبان کی تمام تحریری ضرورتیں پوری کرتا ہے۔

اس طرح سندھی رسم الخط کل 52 حروف پر مشتمل ہے۔ جن میں عربی کی طرح صرف تین حروف الف، و اور ی زیادہ تر حروف علت (Vowels) کا کام دیئے ہیں۔

## سندهی حروف تہجی

ا ب پ ت ث ٹ پ ج چ جھ چ چ  
 ح خ د ڈ ڌ ڍ ڏ ر ڑ ز س ش ص ض ط ظ ع غ  
 ف ق ک گ ڳ گھ گ ل م ن ڻ  
 و ه ء ي

## ۳۳ حروف جو اردو اور سندھی میں مشترک ہیں

ا ب ت ث پ ج چ جھ چ خ د ذ ر ز س ش  
 ص ض ط ظ ع غ ف ق گ گھ ل م ن و ه ء ي

## ۱۴ حروف جن کی اردو اور سندھی میں مختلف صورتیں ہیں

اردو حروف	سندهی حروف	اردو لفظ	سندهی لفظ
ٹ	ت	ٹوپي	توپي
ڑ	ڙ	چمڙي	چمڙي
ڏ	ڊ	ڊاڪٽر	ڊاڪٽر
ڪ	ڪ	ڪاليج	ڪاليج
ٻھ	پ	سنبھال	سنيال

تھ	ت	ساتھی	ساٿي
ٺھ	ٺ	ٺھيڪيدار	ٺيڪيدارُ
چھ	چ	چھوٺ	چوٽِ
دھ	ڌ	سندھی	سنڌي
ڏھ	ڍ	ڏھال	ڍالَ
پھ	ڦ	پھانسی	ڦاسي
ڪھ	ڪ	لکھ	لڪَ
ي/لھ	ي	يڪے بعد ڊيگري	يڪي بعد ڊيگري

## ۷- حروف جو خالص سندھی ھیں

پ - ڌ - ڇ - ڳ - ڻ - ج - گ

پ- «پ» اور «پ» کا مخرج ایک ہے۔ ان دونوں کی آوازیں لبوں سے نکالتے ہیں۔ لیکن «پ» کی آواز کے لیے ہونٹ ملا کر سانس کو اندر حلق کی طرف لے جاتے ہیں۔

ڌ- «ڌ» اور «ڌ» کا مخرج ایک ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ «ڌ» بولنے والا آواز کو اندر حلق کی طرف لے جاتا ہے۔

ج- «ج» اور «ج» کا مخرج ایک ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے۔ «ج» کی آواز کے دوران سانس منہ سے باہر نکالتے ہیں۔ لیکن «ج» کے تلفظ کی آواز کے لیے سانس کو

اندر حلق کی جانب لے جایا جاتا ہے۔

گ۔ «گ» اور «گ» کا مخرج نرم تالو ہے «گ» کی صحیح  
آواز زبان کے پچھلے حصے کو تالو سے چھونے سے پیدا  
ہوتی ہے۔

ٹ۔ «ٹ» میں «ن» کی آواز شامل ہے۔ «ٹ» کی آواز نکالتے  
وقت زبان تالو کی طرف الٹی مڑ جاتی ہے، اور سانس  
منہ اور ناک سے ایک ساتھ نکالی جاتی ہے۔

ج۔ «ج» اور «ج» میں فرق یہ ہے کہ «ج» کی آواز کے  
وقت سانس کو منہ سے نکالا جاتا ہے، اور ناک کی  
نالی کا منہ بند رہتا ہے۔ لیکن «ج» کے وقت سانس  
ناک اور منہ سے ایک ساتھ نکالتے ہیں۔

گ۔ «گ» اور «گ» کا مخرج تقریباً ایک جیسا ہے، لیکن  
«گ» میں نون غنہ کی آواز شامل ہے۔ «گ» کی آواز  
کے لیے سانس کو منہ اور ناک سے ایک ساتھ نکالا  
جاتا ہے۔

آواز سندهی

ب۔ بلی  
بکری

بچو  
ڈ۔ ڈک

ھڈی

ڈی  
ج۔ چپ

آج  
چمون  
گ۔ ساگ

راگ

پاگ

ٹ۔ لکٹ

پڑھن

آچٹ

ج۔ وچ

میچ

مچن  
گ۔ آگٹ

رگٹ

سگ

اردو

بلی

بکری

بچہ

دکھ

بڈی

دے

جیبہ

آج

جامن

ساگ

راگ

بھاگ (مقدر)

لکھنا

پڑھنا

آنا

جا

مونج

ماننا

آنگن

رنگنا

سینگ

۱- سندھی زبان میں ٹون غنہ خواہ نون اعلاتی کی تحریری صورت ایک ہی ہوتی ہے۔ ہر حالت میں «ن» پر نقطہ دیا جاتا ہے۔

۲- سندھی میں یائے معروف «ی» اور یائے مجہول «ے» کی تحریری صورت بھی ایک ہوتی ہے۔ ہر حالت میں اس کے نیچے دو نقطے دیئے جاتے ہیں۔

## سندھی حروف علت (مصوتے) (Vowels)

سندھی زبان میں دس مصوتے ہیں۔ تین چھوٹے اور باقی لمبے مصوتے۔

۱- (زیر) ۱، (زیر) ۱، اور (پیش) ا، یہ تینوں چھوٹے مصوتے ہیں۔

آ - ای - او - ای - آ - او یہ لمبے مصوتے ہیں۔

۲- سندھی زبان کی یہ بھی بڑی خصوصیت ہے، کہ ہر سندھی لفظ کا آخری حرف صحیح (Consonent) متحرک ہوتا ہے۔ خاص طور پر زیر - زیر یا پیش، کی علامت سندھی کے ہر لفظ کے اختتامی حرف صحیح (Consonent) پر استعمال ہوتی ہے۔

اردو	سندھی	مصوتے
خبر	خَبَر	آ
دل	دِل	ا



گل	گل	ا
نانا	نانا	آ
بی بی	بی بی	ای
رول (قانون)	رول	او
بیر	ویر	ای
خیر	خیر	آی
ٹوپی	ٹوپی	او
خوف	خوف	آو

۳- تنوین- سندھی اور اردو میں تنوین کے استعمال میں کوئی فرق نہیں۔

مثلاً                      مثلاً  
اتفاقاً                      اتفاقاً

تشدید- سندھی اور اردو میں تشدید کا استعمال یکساں ہے۔

ضدّی                      ضدّی  
تکبر                      تکبر

جزم- سندھی اور اردو میں ساکن جروف پر جزم دی جاتی ہے۔

حمد                      حمد  
جزم                      جزم

# اجزائے کلام

سندھی زبان میں اجزائے کلام (Parts of Speech) آٹھ ہیں:- اسم، صفت، ضمیر، فعل، ظرف، حرف جر، حرف جملو (عطف) حرف ندا.

## اسم

### جنس (Gender)

سندھی زبان میں اسم کی دو جنسیں ہوتی ہیں، مذکر اور مؤنث۔  
وہ اسماء جو تذکیر کی نشاندہی کرتے ہیں ان کو مذکر کہا جائے گا، اور وہ اسماء جو تانیث دکھائیں گے، ان کو مؤنث کہا جائے گا۔  
اسم کے آخری اعراب سے تذکیر و تانیث کا پتا چلتا ہے۔

### عدد (Number)

سندھی زبان میں اسم کے دو عدد ہوتے ہیں: عدد واحد اور عدد جمع۔  
واحد سے جمع بنانے کا مدار اسم کی جنس اور ان کی آخری اعراب پر ہے۔

### جنس مؤنث اور عدد

#### (Feminine gender and number)

سندھی زبان کے وہ اسماء جن کی آخر میں «ا»

«آ» «ا» اور «ای» آتے ہیں، ایسے اسماء کی عام طور جنس مؤنث ہوتی ہے۔

**الف** - وہ مؤنث اسماء جس کی آخر میں «ا» آتی ہے، وہ عدد واحد ہیں، ان کی جمع بنانے کیلئے «آ» کو «اُون» میں تبدیل کیا جاتا ہے۔  
مثلاً

### سندھی جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
زَال	زَالُون	عورت
رِيّ	رِيُّون	بھیڑ
کَتّ	کَتُّون	کھاٹ
امید	امیدُون	امید
زمین	زمینُون	زمین

**ب** - (۱) وہ واحد مؤنث اسماء جن کی آخر میں «آ» آتا ہے، ان کی جمع بنانے کیلئے «اُون» کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
دَٹیا	دَٹیاُون	دنیا
دَوّا	دَوّاُون	دوا
دُعّا	دُعّاُون	دعا
پُوچّا	پُوچّاُون	پوچا
هَوّا	هَوّاُون	ہوا

(۲) چند ایسے اسماء بھی ہیں جن کے آخر میں «آ» آتا ہے، لیکن وہ جنس مذکر ہیں۔ ایسے چند اسماء استثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔

مثلاً:

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
دیوتا	دیوتائون	دیوتا
راجا	راجائون	راجہ

ت- (۱) وہ واحد مؤنث اسماء جن کے آخر میں «ا» (زیر) آتا ہے، ان کی جمع بنانے کیلئے «یون» کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

### جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
جاء	جایون	جگہ
اک	اکیون	آنکھ
دل	دلیون	دل
مک	مکیون	مکھی
رات	راتیون	رات

(۲) چند ایسے بھی مذکر اسماء ہیں، جن کی آخر میں «ا» اعراب آتا ہے، جو در اصل مؤنث کی علامت ہے، لیکن ان کو استثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

مثلاً:

## جنس مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
سیٹ	سیٹیوں	سیٹھ

ث- (۱) وہ مؤنث اسماء جن کے آخر میں «ای» آتا ہے، ان کی جمع بنانے کیلئے «آی» کو «یوں» میں بدل دیا جاتا ہے۔

## جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
چوکرِی	چوکرِیوں	لڑکی
پکرِی	پکرِیوں	بکری
کرسِی	کرسِیوں	کرسی
پلی	پلیوں	بلی
نیکِی	نیکِیوں	نیکی

(۲) استثنیٰ کے طور مندرجہ ذیل اسماء مذکر گردانے جاتے ہیں، اور ایسے اسماء کی عدد واحد اور جمع میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، مثلاً:

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
ھاڻي	ھاڻي	ہاتھی
ڌوپي	ڌوپي	دھوپ
پاڻي	پاڻي	پانی
پڪي	پڪي	پرندہ
موتي	موتي	موتی

ج- سندھی زبان کے کچھ مؤنث اسماء اردو زبان میں مذکر ہیں:

سندھی/مؤنث	اردو/مذکر
اخبار	اخبار
تار	تار
موسم	موسم
ماجرا	ماجرا
دعويٰ	دعویٰ
مدعا	مدعا
دل	دل
دريار	دریاء
بازار	بازار

جنس مذکر اور عدد (Masculine gender and Namber)

سندھی زبان میں زیادہ تر وہ اسماء جن کی آخر میں «ا» «او» «اُون» اور «او» آتا ہو، وہ جنس مذکر ہوتے ہیں۔

الف- (۱) وہ واحد مذکر اسماء جن کی آخر میں «ا» آتا ہے۔ ان کی جمع بنانے کیلئے «ا» کو «آ» (زیر) میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

### جنس مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
کتاب	کتاب	کتاب
گھر	گھر	گھر
پیر	پیر	پیر
فقیر	فقیر	فقیر
گل	گل	گل

(۲) کچھ اسماء جن کی آخر میں «ا» (پیش) آتا ہے پھر بھی استثنیٰ کی طور پر مؤنث گردانے جاتے ہیں۔ اور ان کو عدد جمع میں لانے کے لئے «ا» کو «اُون» میں بدل دیا جاتا ہے۔

### جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
وچ	وچون	برق
پین	پیٹون	بہن
سس	سسُون	ساس
ماء	مائُون	ماں

ب- (۱) ایسے مذکر اسماء جن کے آخر میں «اُو» یا «اُون» آتا ہو ان کے عدد واحد کو جمع میں بدلنے کیلئے کوئی تبدیلی نہیں کرنی پڑتی۔

### جنس مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
آزُو	آزُو	آزُو
ماٹھُو	ماٹھُو	آدمی
چٹُون	چٹُون	طوطہ
کچُون	کچُون	کچھوا

(۲) استثنیٰ کے طور پر کچھ «او» اور «اُون» اعراب والے اسماء کی جنس مؤنث بھی گردانی جاتی ہے، اور ان کے عدد بنانے میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کرنی پڑتی۔

### جنس مؤنث

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
بگُون	بگُون	گائے
آبرُو	آبرُو	آبرو

ت- (۱) سندھی زبان میں ایسے اسماء جن کی آخر میں «او» آتا ہے، ان کے عدد واحد کی جمع بنانے کیلئے «او» کو «آ» میں بدل دیا جاتا ہے۔



## جنس مذکر

عدد واحد	عدد جمع	اردو ترجمہ
هَفْتُو	هَفْتَا	ہفتہ
چو کرو	چو کرا	لڑکا
داٹو	داٹا	دانہ
گھوڑو	گھوڑا	گھوڑا
پَرَدو	پَرَدَا	پردہ

جنس مذکر سے مؤنث بنانے کے کچھ اصول

نٹ - (۱) مذکر اسماء جس کی آخر میں «اُ» اعراب آتا ہے ،  
ان کا مؤنث بنانے کے لئے «اُ» کو «اِ» (زیر) اور  
«ای» میں تبدیل کیا جاتا ہے ۔

مثلاً:

مذکر	مؤنث	ترجمہ
کَکڑ	کَکڑِ	مرغا / مرغی
چو کَر	چو کَرِ	لڑکا / لڑکی
پَکَر	پَکَرِ	بکرا / بکری
جَہرِ ک	جَہرِ کِ	چڑا / چڑی

ج- (۱) وہ مذکر اسماء جن کے آخر میں «او» اور «اُو» اعراب آتا ہے، ان کا مؤنث بنانے کیلئے «او» کو «ای» میں تبدیل کرتے نہیں۔  
مثلاً:

مذکر	مؤنث	ترجمہ
گھوڑو	گھوڑی	گھوڑا / گھوڑی
ڈاڈو	ڈاڈی	دادا / دادی
چاچو	چاچی	چچا / چچی
مامو	مامی	ماموں / ممانی
نانو	نانی	نانا / نانی

(۲) عموماً کچھ اسماء مذکر اور مؤنث مادہ کے لحاظ سے گردانے جاتے ہیں۔  
مثلاً:

مذکر	مؤنث
مڑس (مرد)	زال (عورت)
راجا	راٹھی (رانی)
پیء (باپ)	ماء (مان)
پُت (بیٹا)	دِیء (بیٹی)
پاء (بھائی)	پیٹ (بھن)
گھوٹ (دلہا)	کنوار (دلہن)
دِگُو (بیل)	دِگِی (گاء)

(۳) سندھی زبان کے ایسے اسماء مذکر بھی ہیں جن کی مؤنث بنانے کے لیے ان اسماء کے پیچھے «ن» یا «ئی» علامت ملاتے ہیں۔

مثلاً:	مذکر	مؤنث
	شینھن (شیر)	شینھن (شیرنی)
	ہاتی (ہاتھی)	ہاتن (ہتھنی)
	فقیر (فقیر)	فقیریاٹی (فقیرنی)
	ماسٹر (ماسٹر)	ماسٹریاٹی (ماسٹرنی)
	ڈاکٹر (ڈاکٹر)	ڈاکٹریاٹی (ڈاکٹرنی)

(ح) - سندھی زبان کے کچھ مذکر اسماء جو اردو زبان میں مؤنث ہیں:

مثلاً:	مذکر (سندھی)	مؤنث (اردو)
کتاب	تپ	کتاب
اولاد	تپ	تپ
احتیاج	اولاد	اولاد
اطلاع	احتیاج	احتیاج
جلد	اطلاع	اطلاع
شرم	جلد	جلد
عقل	شرم	شرم
صبح	عقل	عقل
موت	صبح	صبح
غزل	موت	موت
خیر	غزل	غزل
قدر	خیر	خیر
	قدر	قدر

## ضمائر (Pronouns)

الف - ضمير خالص:

(۱) متکلم:

واحد	جمع
آء/مان (میں)	اسان (ہم)
مون کي (مجھے/مجھکو)	اسان کي (ہمیں/ہمکو)
منهنجو/منهنجي (میرا/میری)	اسان جو/اسان جي (ہمارا/ہماری)

(۲) حاضر:

تُون (تو)	توهين/آوهين (آپ)
تو کي (تجھے/تجھکو)	توهان کي/آوهان کي (تمہیں/آپکو)
تُنهنجو (تیرا)	توهان جو/آوهان جو (آپ کا)

(۳) غائب:

هُو/هيءُ (وہ/یہ)	هُو (وہ)
هِن کي (اسکو)	هِن کي (ان کو)
هُن جو (اس کا)	هُن جو (ان کا)

ب- ضمير اشاره:

(۱) اشاره نزدیک— (قريب):

واحد	جمع
اھو (يه)	اھي (يه)
انھيءَ کي (اسی کو)	انھن کي (انہی کو)
انھيءَ جو (اسی کا)	انھن جو (انہی کا)

(۲) اشاره دور (بعيد):

واحد	جمع
اھو (وه)	اھي (وه)
انھيءَ کي (اُس کو)	انھن کي (اُن کو)
انھيءَ جو (اُس کا)	انھن جو (اُن کا)

ت- ضمير استفهام:

واحد	جمع
کير/کير (مؤنث) (کون)	کير (کون)
ڇا (کيا)	ڇا (کيا)
ڇو (کيون)	ڇو (کيون)
ڪنھن (کس)	ڪنھن (کس)
ڪنھن کي (کس کو)	ڪنھن کي (کس کو)
ڪنھن جو (کس کا)	ڪنھن جو (کس کا)

## ث - ضمير موصول:

واحد	جمع
جو/جا (مؤنث) (جو)	جي
جيڪو/جيڪا (مؤنث)	جيڪي
جَنهن (جس)	جِن (جن)
جَهڙو/جَهڙي (مؤنث) (جيسا/جيسي)	جَهڙا/جَهڙيون (مؤنث) (جيسه/ويسه)
جيترو/جيتري (مؤنث) (جتنا/جتني)	جيترا/جيتريون (مؤنث) (جتني/جتني)
جيئن (جيسه)	
جڏهن (جب)	

## ج - جواب موصول:

مذڪر / مؤنث	مذڪر / مؤنث
سو / سا	مذڪر / مؤنث
تَهڙو/تَهڙي (ويسا/ويسی)	تَهڙا/تَهڙيون (ويسه/ويسی)
تيترو/تيتري (اُتنا/اُتني)	تيترا/تيتريون (اُتنه/اُتني)
مذڪر / مؤنث	مذڪر / مؤنث
جَهڙا/جَهڙيون	(جيسه/جيسي)
جيترا/جيتريون	(جتنه/جتني)
تيئن (ويسه)	
تڏهن (تب)	

## ح - ضمير مشترك:

پاڻ (خود)	پاڻ (خود)
پنهنجو (خود ڪي)	پنهنجا (خود ڪا)

## ح- ضمیر مبہم:

کو/ کا	(کوئی)	کی	(کوئی)
کنہن کی	(کس کو)	کن کی	(کن کو)
کنہن جو	(کس کا)	کن جو	(کن کا)

## صفت (Adjective)

سندھی زبان میں اردو کی طرح صفت موصوف سے پہلے آتی ہے۔ اور موصوف کے ساتھ عدد اور جنس کے مطابق گردانی جاتی ہے۔

مذکر	مؤنث
واحد / جمع	واحد / جمع
چگُو (اچھا) چگا (اچھے)	چگِي (اچھی) چگیون (اچھی)
ننڊو (چھوٹا) ننڊا (چھوٹے)	ننڊِي (چھوٹی) ننڊِيُون (چھوٹی)
ٿورو (تھوڑا) ٿورا تھوڑے	ٿوري (تھوڑی) ٿوريُون (تھوڑی)
نئون (نیا) نوان نیے	نئي (نئی) نيون (نئی)

## فعل (Verb)

سندھی زبان میں اردو کی طرح دو فعل ہیں:- فعل لازمی - فعل متعدی.

الف- جس فعل کو صرف فاعل ہو، مفعول نہیں ہو، اور مقصد بھی واضح ہو، وہ فعل لازمی بنتا ہے۔ یہ فعل فاعل کے عدد اور جنس میں گردان کرتا ہے۔

چو کرو روئی تو (لڑکا رو رہا ہے) چو کرا روئن تا (لڑکے رو رہے ہیں)  
پکی اڈامی تو (پرندہ اڑتا ہے) پکی اڈامن تا (پرندے اڑتے ہیں)  
مان ہلان تو (میں چلتا ہوں) اسین ہلون تا (ہم چلتے ہیں)

ب- فعل متعدی میں فعل کے فاعل اور مفعول دونوں ہوتے ہیں۔

مان کتاب پڑھان تو۔ (میں کتاب پڑھتا ہوں)  
اسین کتاب پڑھون تا۔ (ہم کتاب پڑھتے ہیں)  
علی خط لکھی تو۔ (علی خط لکھتا ہے)

## مصدر (Infinitive)

(۱) سندھی زبان میں مصدر کی نشانی «ڻ» ہے۔ مثلاً:

آچڻ	(آنا)
وڃڻ	(جانا)
پيڻ	(پینا)
مارڻ	(مارنا)
وڍڻ	(کاٹنا)



(۲) مصدر سے «س» کالنے سے سندھی میں مادہ «امر» بنتا ہے۔ سندھی میں امر کے معنی ہیں «حکم»۔ مثلاً:

لک	لک
پڑھ	پڑھ
مار	مار
وید	وید

(۳) امر کے پیچھے «آن» یا «یان» ملانے سے مضارع بنتا ہے۔ مثلاً:

لکان	لک
پڑھان	پڑھ
ماریان	مار
ویدیان	وید

(۴) امر کے پیچھے «ال» یا «یل» اور «یو» یا «او» لگانے سے اسم مفعول بنتا ہے۔

لک-لکیو/لکیل
پڑھ - پڑھیو/پڑھیل
مار- ماریو/ماریل
وید - ویدیو / ویدیل

(۵) اسمِ حالیہ بنانے کیلئے امر کے پیچھے «آندو» یا «آیندو»، الفاظ ملائے جاتے ہیں

لکُ - لکندو  
 مارِ - ماریندو  
 وِ - ویدیندو  
 پڑھ - پڑھندو

مصدر	امر	مضارع	اسمِ مفعول	اسمِ حالیہ
اَتُّ (اُتھنا)	اَتْ	اَتَان	اَتِیو/اَتیل	اَتندو
اُتُّ (اُتھنا)	اُتْ	اُتِیان	اُندو/اُندائین	اُتیندو
بَدُّ (بُتھنا)	بَدْ	بَدِایان	بَدِایو/بَدَل	بَدندو
تَرَسُّ (تَرسنا)	تَرَسْ	تَرسان	تَرسیو/تَرسیل	تَرسندو
تِیُّ (ہونا)	تِیْ	تِیان	تِیو/تِیل	تیندو
پَرھُّ (پڑھنا)	پَرھْ	پَرھان	پَرھیو/پَرھیل	پَرھندو
پِیُّ (پینا)	پِیْ	پِیان	پیتو/پیتل	پیندو
جَچَرُّ (جاچنا)	جَچْ	جَچیان	جَچیو/جَچیل	جَچیندو
جَوڑُّ (جوڑنا)	جَوڑْ	جَوڑیان	جَوڑیو/جَوڑیل	جَوڑیندو
جَٹُّ (جاننا)	جَٹْ	جَٹیان	جَٹو/جَٹل	جَٹیندو
چَدُّ (چھوڑنا)	چَدْ	چَدیان	چَدیو/چَدیل	چَدیندو
دَوٹُّ (دھونا)	دَوٹْ	دَوٹیان	دَوٹو	دَوٹندو

دوژن (دوژنا)	دوژ	دوژان	دوژیو/دوژیل	دوژندو
ردن (پکانا)	رد	ردیان	ردیو/ردیل	ردیندو
سکن (سیکھنا)	سک	سکان	سکیو/سکیل	سکندو
سنیال (سنیہالنا)	سنیال	سنیالیان	سنیالیو/سنیالیل	سنیالیندو
سوچن (سوچنا)	سوچ	سوچیان	سوچیو/سوچیل	سوچیندو
کرن (کرنا)	کر	کریان	کریو/کریل	کریو/کیل
کائن (کھانا)	کاء	کائنان	کاڈو	کائیندو
گذارن (گذارنا)	گذار	گذاریان	گذاریو/گذاریل	گذاریندو
ڳائڻ (ڳانا)	ڳاء	ڳایان	ڳایو/ڳایل	ڳائیندو
گھمن (گھومنا)	گھر	گھمان	گھمیو/گھمیل	گھمندو
ملن (ملنا)	مل	ملان	ملیو/ملیل	ملندو
نکرن (نکلنا)	نکر	نکران	نکریو/نکریل	نکرنندو
وچن (جانا)	وچ	وچان	ویو	ویندو
هلن (چلنا)	هل	هلان	هلیو/هلیل	هلندو
ویہن (بیٹھنا)	ویہ	ویہان	وینل	ویہندو

## الف - مضارع سے بننے والے الفاظ

(۱) مضارع کے آگے یا پیچھے ”تو“ (تا) ”تی“ ”تیون“ ملانے سے زمان حال بنتا ہے۔ مثلاً:

مان لکان تو۔ (میں لکھتا ہوں)  
 اسین لکون تا۔ (ہم لکھتے ہیں)

مان لکان ٿي (میں لکھتی ہوں)  
اسین لکون ٿيون۔ (ہم لکھتی ہیں)

(۲) مضارع کے پیچھے »پیو« »پیا« »پئی« »پیون« ملانے سے زمان حال استمراری بنتا ہے۔

مان لکان پیو۔ (میں لکھ رہا ہوں)  
اسین لکون پیا۔ (ہم لکھ رہیں ہیں)

(۳) مضارع کے پیچھے »ها« ملانے سے ماضی شرطیہ بنتا ہے۔ مثال:

مان لکان ها۔ (میں لکھتا/میں لکھتی)  
اسین لکون ها۔ (ہم لکھتے/ہم لکھتیں)

## اسم حالیہ سے بنے ہوئے زمان

ب۔ (۱) زمان مستقبل کا واحد غائب بالکل اسم حالیہ

جیسا ہے، لیکن اُس کے آخری صوتیے »او« کو اُ، آ، او، وغیرہ میں بدل کر ضمیری علامتیں »س«، »سین« »سُون« ملانے سے مستقبل بنتا ہے۔

جیسا کہ:

مان لکندُس۔ (میں لکھوں گا)

اسین لکند اسین۔ (ہم لکھینگے)

(۲) اسم حالیہ کے پیچھے »پیو« »پیا« »پئی« اور »پیوں« ملانے سے مستقبل استمراری بنتا ہے۔

مثال:

مان لکندس پیو۔ (میں لکھتا رہونگا)

اسین پڑھندا سین پیا۔ (ہم پڑتے رہینگے)  
 ہو لکندو پیو۔ (وہ لکھتا رہے گا)

(۳) اسم حالیہ کے پیچھے «آھی» ملانے سے حال مدامی بنتا ہے۔ مثلاً:

ہو لکندو آھی۔ (وہ لکھتا رہتا ہے)  
 اسین پڑھندا آھیون۔ (ہم پڑتے رہتے ہیں)

(۴) اسم حالیہ کے پیچھے «ہو» ملانے سے ماضی مدامی بنتا ہے۔ جیسا کہ:

ہی لکندو ہو۔ (یہ لکھتا رہتا تھا)  
 ہو پڑھندو ہو۔ (وہ پڑھتا رہتا تھا)

(۵) اسم حالیہ کے پیچھے «ہوندو» ملانے سے زمان حال متشکی بنتا ہے۔ مثلاً:

لکندو ہوندو۔ (لکھتا ہوگا)  
 پڑھندو ہوندو۔ (پڑھتا ہوگا)  
 ماریندو ہوندو۔ (مارتا ہوگا)

## اسم مفعول سے بنے ہوئے زمان

ت- (۱) ماضی مطلق یہ اسم مفعول جیسا ہے۔ جیسا کہ:-  
 لکیو - پڑھیو - ماریو۔

مون لکیو (میں نے لکھا)

اسان پڙهيو (ہم نے پڙھا)  
هَن ماريو (اُس نے مارا)

(۲) اسم مفعول کے پيچھے »آهي« ملائے سے ماضی قریب بنتا ہے۔ مثلاً لکيو آهي، پڙهيو آهي۔

مون پڙهيو آهي۔ (میں نے پڙھا ہے)  
اسان لکيو آهي۔ (ہم نے لکھا ہے)

(۳) اسم مفعول کے پيچھے »هو« ملائے سے ماضی بعید بنتا ہے۔ مثلاً:- لکيو هو، پڙهيو هو۔

مون لکيو هو۔ (میں نے لکھا تھا)  
اسان پڙهيو هو۔ (ہم نے پڙھا تھا)

(۴) اسم مفعول کے پيچھے »هوندو« ملائے سے ماضی متشکی بنتا ہے۔ مثلاً:- ماريو هوندو۔ لکيو هوندو۔

هَن ماريو هوندو۔ (اُس نے مارا ہوگا)  
هَن لکيو هوندو۔ (اُس نے لکھا ہوگا)

(۵) اسم مفعول کے پيچھے »ٿي« يا »پئي« ملائے سے ماضی استمراری بنتا ہے۔ مثلاً:- لکيو ٿي۔ پڙهيو پئي۔

مون لکيو ٿي۔ (میں لکھ رہا تھا)  
اسان پڙهيو پئي۔ (ہم پڙھ رہے تھے)

## موسموں کے نام

اردو	سندھی
بہار	بھاڑ
خزان	سَرء
موسم گرما	اُونھا رو
موسم سرما	سِیاریو

## ہفتے کے دن

اردو	سندھی
سینچر	چِنچِر
اتوار	آچَر
سوموار/ پیر	سُومَر
منگل	اَگَارو
بدھ	اربع
جمعرات	خمیس
جمعہ	جمعو

## اطراف

اردو	سندھی
مغرب	اولہ
مشرق	اوپَر
شمال	اُتَر
جنوب	دَکُن

ساجو	دایاں
کاپو	بایاں

## عسیوی سال کے ماہ کے نام

اردو	سندھی
جنوری	جَنَوَری
فروری	فَیْزَوَری
مارچ	مَارِچ
اپریل	اَپْرِیل
مئی	مَئی
جون	جُون
جولائی	جُولَاءِ
اگست	اَگَسْتُ
ستمبر	سَپْتَمْبَرُ
اکتوبر	اَکْتَوْبَرُ
نومبر	نَوَمْبَرُ
دسمبر	دِسمْبَرُ

## رنگوں کے نام

اردو	سندھی
سفید	اچو
لال/سرخ	گاڑھو/سرخ



سائو	سبز/ہرا
پیلو	پیلا
نیرو	نیلا
نارنگی	نارنگی
سونہری	سونہری
کارو	کالا
گلابی	گلابی

## اعضا کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
سر	مَتو	انگڑھا	اَگوئو
کھوپڑی	کوپری	چھوٹی انگلی	چیچ
ناک	نَکے	درمیانی انگلی	وچین اَگر
ہاتھ	هَتُّ	انگلی شہادت	دَسِی
ٹانگ	تَنگ	ہڈی	هَدِی
بازو	پانھن	مونچھ	مِچ
پائوں	پیڑ	گھنٹھ	گوڈو
ہونٹ	چَپ	گردن	گِچی
دھڑ	دَڑ	ٹھوڑی	کاڈی
گردن	کَنڈ	ایڑی	کَڑی
پیشہ	پَنی	مسوڑے	مہار
کھال	کَل		

زبان	زبان/چپ	دایاں ہاتھ	سچو ہٹ
دانت	دند	کلاہی	کپو ہٹ
انگلی	اگر	کہنی	گرائی ٹونٹ
گال	گل	پسلی	پاسری
ناخن	ننھن	منہ	وات
پھیپھڑے	ققڑ		
گردہ	بکی		
پیشانی	نرڑ		

### پھلوں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
سیب	صوف	جامن	چمون
آم	انب	ناشپاتی	ناسپاتی
کیلا	کیلو	کاجو	کاجو
پیتھ	پیتو/کاٹ گدرو	مالٹا	مالٹا/مالٹو
نارنگی	نارنگی	بیر	پیر
شریفہ	سیتا قل	بادام	بادام
آڑو	شفٹالو	پستہ	پستا
خوبانی	زردالو	کھجور	کارگون/کتل
چوہارا	چنہارو	الوبخارا	الوبخارا
گنا	گمند	امروہ	زیتون
خرپوزہ	گدرو	فالسے/فالسہ	قاروا

تربوز	ہنداٹو	نیو	لیمون
ناریل	ناریل	چیکو	چیکو
انار	ڈاڑھوں		

## گھر سے متعلق سامان

اردو	سندھی	اردو	سندھی
مکان/گھر	گھر	پردہ	پردو
چھت	چت	تکیہ	وہاٹو
صحن	آگٹ	پنکھا	پکو
کمرہ	گمرو	کنگھا	قٹی
بستر	بسترو	چولہا	چلھو
سیڑھی	ڈاکٹ	سرمہ	سرمون
تولید	ٹوال	دیگچی	دیگری
جگہ	جاء	جہازو	پھارو
برآمدہ	وراندو	چمچہ	چمچو
باروچی خانہ	رندٹو	آگ	باہ
چارپائی	کت	مٹکا	مٹ
فرش	پت	چھلنی	چاٹی
اینٹ	سیر	برتن	ٹانو/باسن
ستون	ٹنپ	غلاف	چو
بیت الخلاء	کاگوس	طشتی	سائر-رکابی
نالی	موری	راکھ	رک

## رشتہ داروں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
ماں	ماء	سالی	سالی
پاپ	پیء	پھوپھی	پُپی
چچا	چاچو	پھوپھا	پُقر
چچی	چاچی	ہم زلف	سندو
بھائی	پاء	سسر	سُھرو
بہن	پین	ساس	سس
شوہر	مُرس	بیٹا	پُٹ
بیوی	زال	بیٹی	ڈیء
پوتا	پوٹو	دادا	ڈاڈو
پوتی	پوٹی	دادی	ڈاڈی
ماموں	مامون	خالو	ماسر
ممانی	مامی	خالہ	ماسی
خالہ زاد بھائی	ماسات	بھتیجا	پائتیو
خالہ زاد بہن	ماسات	بھتیجی	پائتی
نانا	نانو	بہو	نُنھن
نانی	نانی	سوکن	پہاج
چچا زاد بھائی	سوٹ	دیور	ڈیر

چچا زاد بہن	سوتِ	نواسا	ڈوہتو
سالا	سالو	نواسی	ڈوہتی
سوتیلا بھائی	مائیچو پاء	بھنئی	پیٹیویو
سوتیلی ماں	مائیچی ماء	رضاعی بھائی	کیریتو پاء
بھانجا	پائیچو	سارو	سندیو
بھانجی	پائیچی		

## پرنندوں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
پرنده	پکي	مینا	مینا/کپر
طوطا	طوطو	مورنی	دیل
کوا	کانء	چیل	سرڻ
مور	مورُ	بطخ	بڈگ
عقاب	عقابُ	گدم	گجھم
فاختہ	گیرو	آلو	چپرو
کبوتر	کبوترُ	شتر مرغ	اٹ پکي
کوئل	کوئل	مرغا	ککڑ
باز	بازُ	مرغی	ککڑ
تیتہر	تیتُر	بگلا	بگھ
چڑیا	چھر کی	مرغابی	آڑی

## جانوروں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
اونٹ	اُٹ	بلی	بلی
ہاتھی	ہاٹھی	خرگوش	سھو
شیر	شینھن	پھون	ھرن
ہرنی	ھرنٹی	بندر	پولٹرو
بھینس	مینھن	لومڑی	لومڑی
گائے	گئون	گیدڑ	گدڑ
بھینڈ	رید	چوہا	کئو
بیل	دِگُو	گلہری	نورینٹرو
بکری	بکری	سانڈ	پاڈو
کتا	کئو	گھوڑا	گھوڑو
کتی	کئتی	گدھا	گدھ

## سبزیوں کے نام

اردو	سندھی	اردو	سندھی
گوبھی	گوبھی	شلجم	گوگڑو
بھنڈی	پینڈی	ٹنڈی	میہا
مولی	موری	لہسن	ٹومر
آلو	پٹاٹو	خرفہ	لوٹکے
بینگن	واگن	مرچ	مرچ
پیاز	بصر	دھنیا	ڈاٹا

گاجر	گَجَرَ	املی	گِدامِڙي
ثماثر	ثَمَاتو	پودينه	قُودِنُون
پلدي	هَيِڊَ	ادرڪ	سُنڊِي

## پيشه وروں کے نام

اردو	سنڌي	اردو	سنڌي
گلوڪار	گَوِيُو/گَآئُو	گڏريا	ريڊارُ
ڪسان	گُڙمي/هاري	جوهري	صَرافُ
جولَها	ڪوري	ڄمار	موچي
تاجر	واپاري	دهوبي	دوبِي
قصاب	ڪاسائي	باورچي	بورچي
ملاح	ملاح، خلاصي	مالي	باغائي
دودھ والا	کير وارو	ڪمھار	ڪُنپارُ
سنار	سونارو	ماہي گير	مُهاڻو
پڙهڻي	واڊو		





## شاھ عبداللطيف ڀٽائي

شاھ عبداللطيف ڀٽائي، جنهن کي گهڻو ڪري شاھ ڀٽائي يا ”ڀٽائي گهوٽ“ ڪري سڏيندا آهن، سال ۱۱۰۲ هجري مطابق ۱۶۸۹ عيسوي، حيدرآباد ضلعي جي هالا تعلقي ۾ هڪ ننڍي ڳوٺ ”ڀٽي پور“ ۾ ڄائو.

شاھ صاحب جي والد جو نالو حبيب شاھ هو. شاھ عبدالڪريم بلڙيءَ وارو سندس پڙ ڏاڏو هو. اصل ۾ شاھ صاحب جا وڏا هرات کان لڏي سنڌ ۾ آيا هئا.

شاھ لطيف ننڍي هوندي کان ئي مانيٽو، نويڪلاڻي پسند ۽ ڳنڀير هوندو هو. کيس ماڻهن جي سيرت ۽ ڪردار جي مشاهدي ڪرڻ، ۽ قدرتي حسن کي پسڻ ۽ پرکڻ جو شوق هوندو هو. هو جهر جهنگ، پيلن، پهاڙن، دريائن ۽ وادين جا سير ڪندو رهندو هو. جوانيءَ ۾ هن لکي پڳ پوريءَ سنڌ، جنهن ۾ لاڙ، وچولو، ڪاڇو ۽ اتر جا علاقا شامل آهن، انهن سڀني جو سير ڪيو، ۽ ويندي، جيسلمير تائين به وڃي نڪتو.

انهي سفر دوران کيس سنڌ جي مختلف ماڻهن، ذاتين ۽ قومن جي ريتن رسمن کي چڱيءَ طرح ڄاڻڻ ۽ پروڙڻ جو موقعو مليو، ماڻهن جي غربت، بيوسي ۽ محروميءَ کي هن چڱيءَ طرح محسوس ڪيو، ۽ ان احساس کي نهايت ئي دلگداز پيرايي ۾ پنهنجي شعر ۾ جاءِ ڏني. ماڻهن جي ڏکڻ سورن ۽ حقيقي جذبن جي پنهنجي شاعريءَ ۾ مؤثر ترجمانيءَ ئي کيس عوامي شاعر جو درجو ڏنو ۽

انهيءَ ڪري ئي سندس ڪلامَ خاص ۽ عام جي دٻين ۾ جاءِ پيدا ڪئي.

سندس ڪلامَ ۾ تصوف جي نهايت ئي باريڪ ۽ نفيس نڪتنَ کي عام فہمَ اندازَ، آسان تشبيہنَ، استعارنَ ۽ ڪنائينَ ۾ بيانُ ڪيو ويو آهي. شاہہ صاحبَ جو ڪلامُ انساني قدرنَ ۽ معيارنَ جو ترجمانُ آهي. مساواتَ، مروتَ، ايثارَ، رواداري، بي لوثي ۽ خدمتَ خلقَ جا اعليٰ قدرُ سندس ڪلامَ ۾ جا بجا موجود آهن.

تصوفَ جي خاص ۽ آخرينَ نصب العينَ جي حوالي سان، خود شناسي، نفس جي پاڪيزگي ۽ خدا ترسي سندس ڪلامَ جو خاص موضوعُ آهي. شاہہ صاحبَ پنهنجي ڪلامَ ۾ سنڌ جي مشهور عوامي قصنَ ۽ ڪهاڻينَ، جهڙوڪَ عمر مارئيءَ، سسئي پنهنوءَ، مومل راڻي، ليلا چنيسر، سُهڻي ميهارَ ۽ سورڻ راءِ ڏياچَ کي اوتَ بنائي، حُبَ وطنَ، اخلاقَ انساني، تصوفَ ۽ وَحْدَةُ الوجودَ جا نڪتا بيان ڪيا آهن.

سندس ڪلامَ ۾ اُهي سڀ شاعراڻيون وصفونَ ۽ اعليٰ اُهاڃاَ موجودَ آهن، جيڪي ڪنهن به شاعر کي آفاقي شاعرَ جو درجو ڏينَ ٿيون. شاہہ صاحبَ جو ڪلامُ نهايت بليغ، فصيح ۽ سليس اندازَ جو حامل آهي.

سندس ڪلامَ سنڌي شاعريءَ جي قديم ۽ عام صنفَ سخن-واڻيءَ، دوهي ۽ بيتَ جي هيٺَ ۾ آهي.

سندس ڪلامَ کي سنڌ کان ٻاهر بلوچستان ۽ پنجاب ۾ به عارفانه ڪلامَ جي حيثيتَ ۾ ڳايو وڃايو ويندو آهي.

سندس رسالو ۳۲ سُرَن / بابن تي مشتمل آهي، جنهن ۾  
۵۰۰۰ (پنج هزار) گُنُ بِيَتَ دَرِجُ آهن.

سندس ڪلامَ جي نه رڳو سنڌ جي مشهور عالمن ۽ محققن  
جهڙوڪ مرزا قليچ بيگ، ڊاڪٽر گربخشاڻي، ڊاڪٽر دائود پوٽي،  
علامہ آءِ آءِ قاضي ۽ ڊاڪٽر نبي بخش خان بلوچ تحقيق ۽ تشريح  
ڪئي آهي، بلڪہ جڳ مشهور لساني ماهرن ڊاڪٽر ٽرمپ، سورلي ۽  
انميري شمل بہ لطيف جي ڪلام جي شرح ڪئي آهي ۽ کيس  
خراج عقيدت پيش ڪيو آهي. ڊاڪٽر سورلي تہ کيس دنيا جي  
وڏن شاعرن ۾ سڀ کان وڏو شاعر ڪري مڃيو آهي.

سندس ڪلامَ جو شعري صورت ۾ مڪمل اردو ترجمو سنڌ  
جي مشهور شاعر شيخ اياز ڪيو آهي ۽ ٽن ٻن جلدن ۾ اردو نثري  
ترجمو پاڪستان اڪيڊمي آف ليٽرس جي سھاري هيٺ تازو شايع  
ٿيل موجود آهي.

اُردوءَ کان علاوه دنيا جي ٻين وڏين ترقي يافتہ ٻولين جهڙوڪ  
انگريزي، جرمني، فرينچ ۽ فارسي وغيره ۾ بہ اُن جو ترجمو ٿيو  
آهي.

شاهہ لطيف، هر صوفي مَنَشَ بزرگ ۽ ولي الله وانگر ڪنھن  
بہ مت پيد جو قائل نہ هو.

هُو ھندن توڙي مسلمانن جي وڏن بزرگن ۽ رهنماڻن جي عزت  
۽ احترامَ جو قائل هو. هُو سني، شيعي وغيره جي فرقن مان ڪنھن  
جو بہ طرفدار نہ هو.

شاهہ صاحب جوانيءَ ۾ شادي ڪئي، جنھن مان کيس اولادُ

ڪونه ٿيو. لطيف ۶۳ ورهين جي ڄمار ۾ ۱۴ صفر ۱۱۶۵ هجريءَ ۾ هن دنيا کان لاڏاڻو ڪيو. ان تاريخ تي هر سال پٽ شاهه تي سندس عرس ملهايو ويندو آهي.

وفات کان اڳ پنهنجي مريدن کي چيائون ته هو سندس ڪلام ٻڌڻ شروع ڪن ۽ پاڻ پنهنجي حجري ۾ وڃي چادر اوڍي لٽي پيو. مريدن، سڄي رات ڪلام ٻڌڻ کان پوءِ صبح جو وڃي ڏٺو ته سندس روح پرواز ڪري چڪو هو.

شاهه صاحب موسيقيءَ جو وڏو ڄاڻو ۽ ان جو دلداده هو. يڪتارو سندس ئي ايجاد آهي، جيڪو پاڻ وڄائيندو به هو. ڪلام چوڻ ۽ ٻڌڻ مهل مٿس وجد واري ڪيفيت طاري ٿيندي هئي.

## سَچَلُ سِرِ مَسْتُ

اڳوڻي رياست خيرپور ۾، راڻي پور ريلوي اسٽيشن کان ميل ڪن پري، درازا نالي هڪ ننڍڙو شهر آهي، جنهن جي ٻاهران ئي سچل فقير جو روضو آهي. سچل فقير جو اصل نالو عبدالوهاب آهي. سچو، سچيندو ۽ سچل، بطور تخلص، به استعمال ڪيا اٿس، ۽ اڳتي هلي، اهي لفظ سندس اسم ثانيءَ طور مشهور ٿيا.

هر صوفي سچائيءَ جو مبلغ ۽ پرستار هوندو آهي. مگر جنهن بيباڪيءَ ۽ صاف گوئيءَ سان سچ جو پرچار پنهنجي شعر ۾ توڙي ڪردار ۾ سچل سرمست ڪيو آهي، اها سندس انفرادي صفت آهي. حق جي ڪلمي چوڻ ۽ ان تي قائم رهڻ جا جيڪي انداز سچل آزمايا، انهن جي طفيل کيس ”منصور ثاني“ به سڏجي ٿو. سچل ۱۷۵۷ عيسويءَ ۾ ڄائو، مگر ڪن محققن جي تحقيق موجب سندس سن ولادت ۱۷۳۹ عيسوي آهي. پاڻ ۱۸۲۹ عيسويءَ ۾ نوي ورهين جي وڏيءَ ڄمار ۾ وفات ڪيائين. سندس والد جو نالو ميان صلاح الدين هو. سندس ڏاڏي جو نالو عبدالوهاب هو، جنهن کي صاحبزادو به سڏيندا هئا.

سچل جا وڏا اصل فاروقي هئا، يعني سندن نسب حضرت عمر فاروق رضه سان وڃي ملي ٿو. سندن وڏو، شهاب الدين، محمد بن قاسم سان گڏجي سنڌ ۾ آيو هو.

سچو ننڍي هوندي کان ئي هڪ غير معمولي ٻار هو. هن پنهنجي دور جي تعليمي ۽ تدريسي روايتن مطابق چڱو علم پرايو،

مگر سندس شهرتَ باطني علمَ يا روحاني علمَ جي ڪري ٿي، جنهن جو اظهارُ هنَ جي عارفانه ڪلام ۾ موجود آهي. پاڻ ڪافي ٻولين ۾ دسترس حاصل ڪيائين، جنهن جو اندازو به سندس دستياب ڪلام مان ٿئي ٿو. سنڌي، هندي، اردو، فارسي ۽ سرائڪي ٻولين ۾ سندس ڪلام جو ذخيرو موجود آهي. ڪلهوڙن ۽ ميرن پنهنجي دورَ حڪومتَ ۾ سچل سرمستَ حياتيءَ جا ڏينهن گذاريا.

خيرپور جو والي، مير علي مراد، سندس معتقدُ هو. سندس فارسي ديوان، ”ديوان آشڪار“، به مير علي مراد چيائي پنهنجي ذاتي ڪتب خانن ۾ تبرڪَ طور رکرايو هو. انهي شعري مجموعي ۾ سچل پنهنجي تخلصَ کي ”آشڪار“ ڪري استعمال ڪيو آهي. سچل پنهنجي چاچي عبدالحق جي نگرانيءَ ۾ ظاهري ۽ باطني تربيتَ جا مرحلا طئي ڪيا.

هن بزرگ جي ڪلام جي خاص صفت سندس عشقيه اظهارَ جي فراواني ۽ رواني ۽ مصلحتَ کان مبرا صداقتَ آهي، سڀني صوفين وانگر عقلَ جي مقابلي ۾ عشقيه جذبي کي سچل به ترجيحَ ڏني آهي. مگر هنَ مرد مجاهدَ جي بيان جو انداز بي ساختگيءَ ۽ دليريءَ جي صفتن ڪري نرالو ۽ بيحد اثرائتو آهي.

مخدومي مجذوبي ڪڏهان ڪڏن نه ٿيون  
عشق عقل دي راهه نرالي، هڪٻئي نون ڪين مڻسين.

عشقُ لڳيئي، تان ڪر آمين

نا منجهه ڪفر، نا منجهه دين.

هنن عارفن لاءِ عشقيه جذبو ئي اهڙي ذات آهي، جيڪا رب تائين رسائڻ جو مستند ۽ مضبوط ذريعو آهي. هنن وٽ ڪفر ۽ دين جون معنائون رسمي ۽ اسمي معنائن کان مختلف آهن، اهي استعارا آهن ۽ سندن مخصوص زاويه نظر جا ترجمان آهن.

شرع دين ۽ فقہ وغيره جي حوالن سان هنن جي ڪلام ۾ جيڪا جرح نظر اچي ٿي، اها رياڪاريءَ، منافقيءَ، سڪڻائيءَ ۽ سطحي ادائگيءَ خلاف آهي، ۽ نه ڪه اصل دين ۽ ان جي روح خلاف. هنن جي طرفان سڌڙين ۽ رياڪارن جي ”عبادت“ خلاف اهو هڪڙو احتجاج جو انداز آهي.

قاضي ساڙ ڪتابان ڪون، هُن مرشد ايوين فرمايا

آپ سڃاڻ ته تون ڪي آهين ”عرف نفس“ پڙهيا

سچو راهه ڪفر دا سانئون مرشد آپ بتايا.

اهڙيءَ طرح اتي ۽ اهڙين ٻين جاين تي ڪفر جو اصطلاح

رياڪاريءَ، مڪاريءَ، مذهبي دڪانداريءَ ۽ دين فروشيءَ جهڙن

ڪڏين ڪردارن جو ڪفر/انڪار آهي، نه ڪه اصل دين ۽ ديني

بصيرت کان ڪفر - جيئن چوي ٿو ته:

مسجد وچ ڪاڻ ٽڪر ڏيون ٻانگ صلواتان

عالم ليکي روزي رکندي، نت ڪاوڻ ديان آفاتان

سچو راهه نه اها سچ دي، بره واليان بيان باتان

ڪيترائي بزرگ اصل ۾ لالچ ۽ حرص هوس ۽ ذاتي غرض لاءِ

مذهب کي استعمال ڪرڻ وارن جا مخالف رهيا آهن.

سچ جي برملا اظهار ۾ هو سڀني کان سرس ۽ اڳرو هو.

سچ ٿا مرد چون، ڪنهن کي وڻي نه وڻي،

ڪوڙي دوستيءَ جو دم بڻي نه بڻي!

بهر حال سچل سرمست انهي لحاظ کان واقعي سرمست هو.

هو ظاهر دارين ۽ ظاهر پرستين جي هنگامن کي ظاهر ظهور نديندو

هو. ماڻهن جي سڪائين ۽ وڃڻ تي سڌي جرح ڪندو هو، ۽ انهن

کي ڪين بخشيندو هو، جيڪي ”اندر ۾ آدر ۽ منهن ۾ مسلمان“

بنا، خلق خدا کي پتلائيندا رهندا هئا.

سچل سرمست جو ڪلام پنهنجي همعصرن جي ڪلام کان

مقدار ۾ ۽ تنوع ۾ سرس آهي.

پاڻ بيت، وايءَ ۽ ڪافيءَ کان سواءِ غزل، نظم، رباعيءَ،

مسدس، سي حرفي ۽ وغيره جي صنفن ۾ به طبع آزمائي ڪئي اٿس.

سچل جو سٺو سچل جو سچل جي سيرت، سچل جو نظريو، انهن

تنهن پهلون ۾ هڪڙي اهڙي هم آهنگي موجود آهي، جيڪا

هڪڙي راست گو، نيڪ نيت، پرهيز گار ۽ اوچي آدرش واري

اولالزم انسان ۾ هئڻ چڱائي.

سچوءَ کي سچ سان، سچ جي پرچار سان ايتري گهڻي نسبت

هئي، جيڪا اڄ به اسان لاءِ هڪڙي مشعل راهه آهي ۽ اسان لاءِ

نصب العين جو درجو رکيو پئي آهي.



## مرزا قليچ بيگ

سنڌي زبان جي خدمت ۽ ان کي ڪثير النوع موضوعن ۽ مضمونن سان مالا مال ڪرڻ جو اُتساهه جيترو آسان جي هن مرد مومن کي هو، مشڪل سان سنڌ جو ڪو عالم ۽ محقق ان سان برميچي سگهي.

اها انوکي حقيقت آهي ته جيتوڻيڪ مرزا صاحب سنڌ جي ڪنهن قديم خاندان جو فرد نه هو، ان جي باوجود سنڌي زبان جي ڪشش ۽ ان جي حسن هن کي ايترو ته موهيو، جو روينيو کاتي جي ڊگهي ملازمت جي باوجود نهايت پابنديءَ سان روزانو وقت ڪڍي، سنڌي ٻوليءَ ۾ ڪجهه نه ڪجهه لکڻ سندس فرائض ۾ شمار ٿي ويو هو.

مرزا صاحب جو والد مرزا فریدون بيگ ننڍيءَ عمر ۾ جارجيا کان هٽ سنڌ ۾ پهتو، پاڻ شروع ۾ پنهنجن ابن ڏاڏن جي مذهب عيسائيت جو پيرو هو. ميرن جي دورِ حڪومت ۾ مير ڪرم علي خان کي مرزا فریدون بيگ جي ٻانهن ملي، جنهن جي صحبت ۾ هو مسلمان ٿيو. سندس پهريون نالو سڏبي هو. مرزا قليچ بيگ سندس ٽيون نمبر فرزند هو.

مرزا قليچ بيگ شروعاتي تعليم سنڌ جي روايتي مڪتن ۾ حاصل ڪئي، جتي وقت جي رواج موجب، سنڌيءَ سان گڏ فارسيءَ جي تعليم به حاصل ڪيائين. پاڻ ايترو ته زيرِ گُ ۽ فهيم هو، جو اڃا ڇهين ڪلاس ۾ هو ته هاءِ اسڪول ۾ ”پرسن ٽيچر“ مقرر ڪيو

۱۸۷۲ عيسويءَ ۾ مئٽرڪ جو امتحان پاس ڪري، بمبئيءَ جي ايلفنسٽن ڪاليج ۾ بي. اي جي ڊگري وٺڻ ويو، ۽ اُتي به ڪاليج ۾ فارسيءَ جو فيلوٽي ڪم ڪيائين. ڪن سببن جي ڪري بي. اي جي ڊگري حاصل ڪرڻ کان اڳ ئي پاڻ حيدرآباد موٽي آيو ۽ عدالت کاتي جو امتحان پاس ڪري ضلعي شڪارپور ۾ مختيارڪار مقرر ٿيو، ۽ ترقي ڪندي، ڊپٽي ڪليڪٽر جو عهدو ماڻيائين، جتان پوءِ رٽائر ڪيائين. مرزا صاحب عربي، فارسي، انگريزي ۽ ترڪي زبانن ۾ خاصي مهارت رکندو هو.

پاڻ سڄي زندگي هڪڙي نيم ۽ ٽائيم ٽيبل مطابق گذاريائين: لکڻ جو ٽائيم، پڙهڻ جو ٽائيم، کائڻ جو ٽائيم، نند ۽ نند مان اٿڻ جو ٽائيم، تفريح / وندر جو ٽائيم، وغيره. پاڻ انهن مقرر وقتن جو سختيءَ سان پابند رهيو.

پورا ٽيهه سال سرڪاري ملازمت ڪيائين ۽ ملازمت ڪندي به سنڌي ٻوليءَ لاءِ محبت ۽ محنت سان ڪم ڪرڻ ۾ ناغو نه وڌائين، روزانو ٻه صفحا ئي سڀي پر ضرور لکڻ ۾ صرف ڪيائين.

وٽس ڪافي ناياب ڪتابن جي ذاتي لئبرري هئي. پينشن تي لهڻ کان پوءِ سارو وقت تصنيف ۽ تاليف ۾ مصروف رهيو. سندس حياتيءَ ۾ ئي سندس ڪتاب ڇپيا ۽ مقبول ٿيا.

مرزا صاحب لڳ ڀڳ ساڍا چار سَو ڪتاب سنڌيءَ ۾ تاليف ڪيا، جن ۾ گهڻو تعداد ترجمن جو آهي. جنهن به موضوع ۾ ڏسندو هو ته سنڌيءَ ۾ اڳ لکيل مواد ڪونه آهي، ته هڪدم اُن موضوع تي ڪتاب هٿ ڪري، اُن جي سنڌي ترجمي کي لڳي

ويندو هو. انهيءَ حَدَ تائين، جو اقتصاديات، نفسيات، ناول، ڊراما، افسانہ نويسيءَ، شاعريءَ ويندي باغبانيءَ جهڙن موضوعن تي به سنڌيءَ ۾ سندس ڪتاب ترجمو ٿيل آهن. اڃا به سندس ٻه سو کن ڪتاب دستخط صورت ۾ موجود آهن، جيڪي اڻ ڇپيل آهن. مرزا صاحب نهايت نيڪ نيتُ ۽ نيڪ سيرت انسانُ هو. سڄي عمر ايمانداريءَ سان پنهنجا فرض نباهيائين. سرڪاري توڙي خانگي زندگيءَ ۾ ڪنهن کي ڪونه ڏکويائين. سندس طبيعت ملنساريءَ، خوش اخلاقيءَ، سنجيدگيءَ ۽ محنت ۽ مشقت جو هڪڙو مثالي نمونو هُئي. پاڻ صوم و صلوات ۽ ٻين مذهبي اداڻگين جو به بيحد پابند هو. صوفي مَنُشُ انسانُ هو. فرقيواريت کان پرهيز ڪندو هو.

پاڻ شاعريءَ ۾ به طبع آزمائي ڪئي اٿس. سندس علمي ۽ ادبي خدمتن جي اعترافَ ۾ سرڪار کيس ”شمس العلماء“ جو خطاب ڏنو، ۽ خلعت به عطا ٿيس.

مرزا صاحب جون هڪڙيون انوڪيون رومانوي مصروفيتون به هيون. ڇا ڪيائين، جو گهرَ جي هڪڙي وڻ تي هڪڙو اهڙو اڪيرو نهرايائين، جنهن ۾ پاڻ وڃي ٻه چار گهڙيون صبح سوڀري ويهي زهندو هو، ۽ پڪين جون لاتيون ٻڏي دل کي سُورور بخشيندو هو. پنهنجي جيئري، هڪڙي قَبَرِ نهرائي ڇڏي هُئائين، جنهن جي ساميءَ ۾ به وڃي گهڙي ڪُنُ ليٽي پَوَندو هو، موتَ کي يادِ رکندو هو ۽ اُن جي آجيان لاءِ پاڻ کي سدائين تيارُ رکندو هو. مرزا صاحب ٽي شاديون ڪيون، جن مان کيس يارهن فرزند تولدُ ٿيا. انهن جي تربيت به وڏيءَ

اُون ۽ ذميداريءَ سان ڪيائين ۽ اُهي به وڏا ئي علم و ادب جا شائق  
 بنيا، سرڪاري نوڪريون به ڪيائون ته سنڌي زبان ۽ ادب جي به  
 خدمت ڪيائون. انهن ۾ شاعر به ٿيا، محقق به ٿيا ۽ مقرر به ٿيا.  
 مرزا صاحب ۷۴ ورهين جي ڄمار ۾ ۳ جولاءِ ۱۹۲۹  
 عيسويءَ ۾ حيدرآباد شهر ۾ وفات ڪئي.

## علامہ آء آء قاضي

امداد علي ولد امام علي قاضي پورو نالو آهي اُن شخص جو، جيڪو ”آء آء قاضي“ جي نالي سان مشهور ٿيو.

قاضي صاحب سنه ۱۸۸۶ عيسويءَ ۾ ڄائو. سَنَدَسِ وَڏا اصل ”پات“ جا رهاڪو هئا، جيڪو دادو ضلعي جو هڪڙو ڳوٺ آهي، جنهن جي خصوصيت اها آهي ته پنجاه سال اڳ جڏهن پوري سنڌ صوبي جي شرح خواندگي ۲۵ سيڪڙو مس هئي، ته پات جهڙي ننڍي ڳوٺ جا ۸۰ سيڪڙو ماڻهو پڙهيل هئا.

قاضي صاحب ابتدائي تعليم حيدرآباد شهر ۾ حاصل ڪئي، مئٽرڪ پاس ڪرڻ کان پوءِ کين انگلنڊ وڃي پڙهڻ جو موقعو مليو، جتان بيئرپسٽريءَ جو امتحان پاس ڪيائون. اُن ڊگري حاصل ڪرڻ کان پوءِ پاڻ جڏهن ملڪ موٽيا، ته روزگار جي سلسلي ۾ خيرپور ۾ جج طور مقرر ٿيا، مگر چيلڊ ٿي اها سروس ڇڏي ڏنائون. سبب اهو ڄاڻايائون ته نوڪريءَ دوران وڏن ماڻهن جي روايتي مداخلت ۽ بيجا سفارشين کين ڏاڍو دل برداشتہ ۽ پریشان ڪري وڌو هو.

قاضي صاحب جن شروع کان ئي هڪ سچي انسان ۽ مڪمل مسلمان جو آدرش پنهنجي آڌو رکي، زندگيءَ جو پيشر شروع ڪيو. پاڻ گڏوگڏ پنهنجي آدرش جي اصولن ۽ تفصيلن کي ڀليءَ پيٽ پڙوڙڻ لاءِ علم ۽ شعور جي روشنيءَ جا ڳولائو رهيا، ۽ بنان ڪنهن روايتي ڊگريءَ ۽ سنڌ حاصل ڪرڻ جي پنهنجي مطالعي کي لڳاتار جاري رکيو. مطالعي جي شوق کين ڏيساوار جا ڪيترا ڀيرا دورا

ڪرايا. پاڻ ان لحاظ کان يورپ جي ملڪن، انگلنڊ، فرانس ۽ جرمنيءَ ۾ قيام ڪيو، ۽ اُتان جي درسگاهن جي مکيه دانشورن، پروفيسرن ۽ استادن جي صحبت خالص علم حاصل ڪرڻ لاءِ اختيار ڪئي.

مصر ۾، الازهر يونيورسٽيءَ ۾، به عربي پڙهڻ ۽ پڙوڙڻ جي خيال کان ڪُجهه وقت ترسيا. کين انگريزي، سنڌي ۽ اردو زبانن سان گڏوگڏ عربي، فارسي، جرمن ۽ فرينچ زبان تي به ملڪو حاصل هو.

جڏهن به وطن واپس ورندا هئا، ته نوجوانن کي گڏ ڪري سندن ذهني، اخلاقي ۽ روحاني تربيت لاءِ کين ليڪچر ڏيڻ جو سلسلو جاري رکندا هئا.

انهيءَ خيال کان ۱۹۳۵ع کان ۱۹۴۵ع تائين مسلم ڪاليج هاسٽل ڪراچيءَ ۾ خطبات جو سلسلو شروع ڪيائون ۽ اُن وقت جي زير تربيت شاگردن کائن سُو فيض حاصل ڪيو.

جڏهن سنڌ يونيورسٽي ٺهي، ته سنڌ حڪومت کين اُن اداري جي سربراهيءَ لاءِ مَنٽ ڪئي، جا پاڻ قبول ڪيائون ۽ وڏيءَ جانفشانيءَ، ديانت ۽ محنت سان اداري جي ترقيءَ ۽ سربلنديءَ لاءِ رات ڏينهن ڪم ڪيائون.

يونيورسٽيءَ ۾ ڪم ڪندڙ پوري عملي لاءِ پاڻ هڪڙو مثالي ڪردار ادا ڪيائون. پڻيوالي کان وٺي رجسٽرار تائين، لئبررين، ليڪچرارن ۽ پروفيسرن سڀني لاءِ پاڻ مقبول ۽ محبوب شخصيت بنيا رهيا. سندن سيرت جا سڀئي پهلو سندن مقرر ڪيل اُدرشن ۽

اصولن سان هم آهنگ رهيا.

پاڻ وقت جا نهايت پابند هئا، ۽ ڪنهن به شخص طرفان وقت جي زياده کي برداشت نه ڪندا هئا. ڪنهن تقريبن ۾ جڏهن اُن دور جو مرڪزي وزير مقرر وقت کان ڪجهه دير ڪري آيو ته پاڻ اُن کي به بخش نه ڪيائون ۽ پريءَ محفل ۾ کيس چيائون ته وزير صاحب کي خبر هئڻ گهرجي ته وقت ۽ وزارت ٻئي وٽس امانتون آهن، انهن ۾ خيانت ڪيڀرو گناهه آهي. ڪوبه وڏو عهدو ڪنهن کي ماڻهن تي رعب جمائڻ لاءِ نٿو ڏنو وڃي.

يونيورسٽيءَ جي استادن ۽ شاگردن ۾ فڪري جامعيت پيدا ڪرڻ لاءِ، ايڪسٽينشن ليڪچرن جو سلسلو شروع ڪيائون، ۽ ڪن سالن تائين اهو عمل جاري رهيو. پاڻ انهن تقريبي سلسلن جي صدارت ڪندا هئا ۽ سندن صدارتي خطبا نهايت جامعيت جو مظهر هئا.

انگلينڊ ۾ قيام دوران پاڻ اُتان جي مسلمانن کي دين جي بصيرت ڏيڻ لاءِ به بٽان معاوضي هڪڙو تبليغي سلسلو شروع ڪيو هئائون، جنهن کان مختلف ملڪن کان تعليم لاءِ آيل مسلمان شاگرد ڪافي فيضياب ٿيا.

مصر جي حڪومت کين چڱو خاصو وظيفو آڇيو ته پاڻ وڃي مصر ۾ حڪومت جي طرفان ڪنهن اداري ۾ علمي ڪم ڪن، مگر تبليغ جي ڪم کي اڌ ۾ ڇڏي، اوڏانهن وڃڻ سندن اصول جي خلاف هو، جنهنڪري پاڻ اُها آڇ قبول نه ڪيائون.

برطانيه جي جڳ مشهور دانشور ۽ ڊرامه نگار برنارڊشا هڪڙو

ڪتابُ (بلڪ گِرل اِن سِرچ آف گاد) ”ڪاري چوڪري خدا جي تلاش ۾ لکيو، جنهن ۾ نظريي توحيد ۽ خدا جي وجود متعلق تشڪيڪ ۽ طنز سمايل هئي.

پاڻ اُن جي جواب ۾ (برائون گرل اِن سِرچ آف گاد) ”پوري چوڪري خدا جي تلاش ۾“ ڪتاب لکيائون، جنهن ۾ نظريي توحيد ۽ مذهبي فڪر جي ارتقا تي نهايت خوبصورت پيرايي ۾ شرح بيان ڪيائون ۽ خدا جي وجود جي اقرار ۽ اثبات تي مدلل بحث ڪيائون.

قاضي صاحب پنهنجي پوري زندگي سچ، سُرٽ ۽ سونهن جي تلاش لاءِ وقف ڪئي هئي، ۽ سندن ئي چوڻ مطابق، پاڻ انهن سڃاڻپ جي سواد کان آشنا ٿيندا رهيا ۽ منزلون طئي ڪندا رهيا.

يونيورسٽيءَ جي علحدگيءَ کان پوءِ گهڻو ڪري پاڻ پنهنجي گهر ۾ مطالعي، مراقبي ۽ محاسبي وارين وارداتن ۾ مصروف رهندا هئا، جيڪي سندن معتقد هئا، اهي گاهي ماهي سندن جاءِ تي وڃي کائن فيض حاصل ڪندا هئا.

پاڻ هيڪڙو ٻيو ڪتاب (”ڪيٿوئل پيس اٿت سوفيا“) ”دانش جون اوچتيون جهلڪون“ به لکيائون جنهن ۾ سندن علم ۽ دانش جو زچو موجود آهي، ۽ علم جي طالبن لاءِ هڪ پيش بها تحفو آهي. قاضي صاحب نه ڪڏهن ڪنهن جي خوشامد ڪئي، نه پنهنجي ذاتي غرض لاءِ ڪنهن جي ڪاڻ ڪڍي، نه ڪڏهن مال متاع ميڙڻ جو سوچيو، ۽ نه دنيا جي ڪنهن رتبي، شهرت ۽ مصنوعي عزت لاءِ ڪڏهن ڪو ازادو ٿي ڪيو. هن الله لوڪ، جديد ۽ قديم غلوم جي ڄاڻوءَ، اپريل ۱۹۶۸ع ۾ لاڏاڻو ڪيو.



## خواجا غلام فرید

خواجا غلام فرید هڪُ آهڙو نانءُ آهي، جو نه رڳو پنجابَ ۾ سنڌُ ۾ به شاهه لطيفَ ۽ سچلَ سرَ مستَ جي نالن سان گڏوگڏ وڏي احترامَ ۽ محبتَ سان ورتو ويندو آهي. پنجابُ ۽ سنڌُ صدين کان پنهنجي روحاني اوسرَ ۽ اخلاقي هم آهنگيءَ ۾ هڪٻئي سان قريب رهيا آهن. هن پوري ننڍي کنڊَ جا اخلاقي، روحاني ۽ جذباتي قدرَ مُشترڪَ رهيا آهن، جنهن جو اهم ڪارڻُ هن خطي جا اهل دل بزرگ ۽ صوفي رهنما آهن. سڄو نقطو اشتراڪ انسانيت جو هڪڙوئي آهي. يعني (۱) ”خود شناسي“ ۽ ”خدا شناسي“ جي عظيمترين آدرشَ کي ماڻھُ لاءِ نفسَ جي پاڪيزگي ۽ صفائي، ۽ (۲) انساني ”خوديءَ“ جا جيڪي به مُهلڪَ مرضَ آهن جيڪي کيس مٽئين آدرشَ ۽ نصب العينَ ڏانهن وڌڻَ ۾ رنڊڪُون ۽ رڪاوٽون وجهن ٿا، انهن جو صحيح علاجُ. انهن مرضن مان چند خطرناڪ مرضَ آهن حَسَدُ، تَعَصُّبُ، خود غرضي ۽ نفاقُ. انهن کان نجات لاءِ جنهن جُهڊَ ۽ جهادَ جي ضرورتَ آهي. اُن جي طريقي ڪارَ ۽ تربيتَ لاءِ اسان جي ھن صُوفين ۽ الله لوڪن وٽ عجيب نسخا آهن، جي جيڪڏهن آزمايا وڃن ۽ نيڪ نيتيءَ ۽ خلوصَ سان انهن تي عمل پيرا ٿجي، ته انسان جو وجود هڪُ نيرو، زيار، سالم ۽ صحتمند وجود بنجي پوي ٿو ۽ بَشَرَ مان وحشانيت، بربريتَ ڪينه پروري ۽ بدخواهيءَ جا خونخوار اوصافَ ختمُ ٿي وڃن ٿا، ۽ تنَ جي جاءِ تي اعليٰ انساني گڻ، مثلاً امن پسندي، رواداري، انسان دوستي، درد مندي، قرباني، اخوت ۽

مساواتِ سگھارا بنجي، انساني معاشري کي صحيح سِمتَ ۾ سَفَرَ ڪرڻَ ۽ پنهنجي اعليٰ نصب العينَ تي رسڻ ۾ مددگار ثابت ٿي سگهن ٿا. ته اهڙو آهي تاثير هئڻ اعليٰ هستي جي صحبت جو، سندن ڪلام ۽ پيغام جو. انسان کي هر دور ۾ هر هنڌ انهن صفتن ۽ گُڻن کي سنڀالڻ ۽ انهن جي حفاظتَ جي ضرورت آهي ۽ انهيءَ پيغام کي وري وري نسل در نسل منتقل ڪرڻ جي ضرورت آهي. اهو اهو نصابُ آهي، جنهن کي سنڌ ۾ لطيف، سچل، شاهه عنايت، بيدل ۽ ٻيڙي ۽ ٻين ڪيترن بزرگن ۽ پنجاب ۾ بابا فرید گنج شکر، بلهي شاهه، وارث شاهه، سلطان باهو ۽ خواجه غلام فرید جهڙن آفاقي شخصيتن، پنهنجي ڪردار، سيرت، ملفوظات ۽ شعر ۾ محفوظ ڪيو آهي. انهن مان فيض حاصل ڪري، صحيح انسان بنجڻ اسان جي ذميواري آهي.

خواجه غلام فرید جي سرائڪي، سنڌي، هندي دوهن ۽ ڪافين جيترو پنجاب جي ماڻهو کي موهيو آهي، اوتروئي سنڌ جي سرزمين تي وسندڙ آبادي جي هر طبقي کي.

هي نامور شاعر ۽ باڪمال صوفي ۱۲۶۱ هجري ۾ ڪوٽ مڻ جي ڀلاريءَ سرزمين ۾ ڄائو. سندس پورو نالو خواجه غلام فریدالدين آهي.

مولوي رڪن الدين ”جامع ملفوظات“ ۾ سندن تاريخ پيدائش ۲۶ ذوالقعد ۱۳۶۱ هه ڄاڻائي آهي. سندن والد جو نالو مولانا محمد بخش هو. سندن سلسلو نَسَبُ حضرت عمر فاروق رضه سان وڃي ملي ٿو.

سندن خاندانَ جو هڪُ فردُ يحيٰ بن مالڪُ، عرب مسلمانن جي لشڪر سان سنڌ کان ٿيندو، منگلوٽِ ضلعي ملتان ۾ اچي قيام پذير ٿيو ۽ اُتان وري يارا والي، ضلعي مظفر ڳڙھ ۾ آيو. اهڙيءَ طرح هن گهراڻي عرب کان سنڌ، سنڌ کان ملتان، مظفر ڳڙھ ۽ ڇاڇڙان مان ٿيندي، آخر اچي منڻ ڪوٽ، ضلعي ديره غازي خان، ۾ سڪونت اختيار ڪئي. مولانا محمد بخش کي ٻه پٽ ٿيا، هڪ جو نالو غلام فخرالدين ۽ ٻئي جو. غلام فريدالدين رکيائين. خواجه غلام فريد اٺن سالن جي عمر ۾ قرآن پاڪ حفظ ڪري ورتو. سندن والد جي وفات تي وڏو پٽ مولانا فخرالدين سجاده نشين ٿيو ۽ اسان جي شاعر فريد ۱۴ سالن جي عمر ۾ پنهنجي ڀاءُ جي هٿ تي بيعت ڪئي ۽ پاڻ ۱۶ سالن جي عمر ۾ ايندي، ظاهري ۽ باطني علم جا اهم اسرار حاصل ڪري ورتا.

خواجه غلام فريد پنهنجي ڪافين ۾ پنهنجي ڀاءُ ۽ مرشد فخرالدين کي جابجا ”فخر جهان“ ڪري لکيو آهي.

۱۲۸۸ھ ۾ پنهنجي ڀاءُ ۽ مرشد جي وفات وقت خواجه غلام فريد ۲۸ سالن جي عمر ۾ اُن جي جاءِ تي سجاده نشين ٿيو. ۱۸۲۹ھ جريءَ ۾ خواجه صاحب حج بيت الله جي ارادي سان ملتان، لاهور، دهليءَ مان ٿيندو اجمير شريف پهتو، جتي سندس دستار بندي ٿي، جتان پوءِ پاڻ حج تي هليو ويو. سندس ديوان ڪافين تي مشتمل آهي. سندن ڪلام نهايت سوز ۽ بيقراريءَ وارو آهي.

”روهيءَ“ جي قدرتي نظارن سان جهڙوڪرَ سندن عشقُ هو.  
سندن وفات ۶ ربيع الثاني ۱۳۱۹ هجري مطابق ۲۴ جولاءِ  
۱۹۰۱ع ۾ ٿي. سندن مزارَ ڪوٽ مٺڻ ۾ آهي، جتي هر سال  
عرس ملهائبو آهي ۽ هزارين عقيدتمند پنهنجي روحاني پيشوا جي  
حاضري ڀريندا آهن.

## مير عبدالحسين خان ”سانگي“

مير عبدالحسين خان سانگي، مير عباس علي خان جو پٽ ۽ سنڌ جي آخري تاجدار مير محمد نصير خان جو پوٽو هو. هو سنه ۱۸۵۱ع ۾ ڪلڪتي ۾ ڄائو هو. اُن وقت مير عباس علي خان پنهنجي والد سان گڏ ڪلڪتي ۾ انگريزن وٽ نظر بند هو.

مير عباس علي خان هڪ ڏينهن سُنڊرين ٻيلي ۾ وڃي تلوار سان شينهن کي ماريو هو. هُن جي اهڙي بهادري ڏسي، هڪ يورپين عورت ساڻس شادي ڪئي هئي، اُن مان مير عبدالحسين خان ڄائو هو.

مير عبدالحسين خان اڃا ڇهن ورهين جي عمر جو هو، ته سندس والد ڪلڪتي ۾ وفات ڪئي، جنهن کي حيدرآباد سنڌ ۾ ڪٿائي آيا ۽ ميرن جي قبن وٽ اچي دفن ڪيائون. هو پيءُ جي مرڻ کان پوءِ پنهنجي چاچي مير حسن علي خان ”حسن“ جي سنڀال هيٺ رهيو، جنهن کيس اردو، فارسي ۽ انگريزيءَ جي تعليم ڏياري. جڏهن ٻارنهن سالن جي عمر کي پهتو، ته پنهنجي چاچي سان گڏ سنڌ ۾ آيو.

هڪ دفعي هو گنجي ٽڪر جي ڀرسان مهراڻ جي ڪيٽيءَ ۾ هرڻ جو شڪار ڪندي هڪ نوجوان ۽ خوبصورت دوشيزه تي موهت ٿي پيو پوءِ ساڻس شادي ڪيائين. اُن مائِيءَ ٿورن ئي ڏينهن ۾ لاڏاڻو ڪيو ۽ کيس پٽ شاهه تي دفن ڪيائون. سندس گهر واريءَ جي جدائيءَ جو مير صاحب جي دل تي ايترو ته اثر ٿيو، جو ڪجهه

عرصو هو حيدرآباد ۽ پٽ شاهه جي وچ ۾ پيرين اڳهاڙو ايندو ويندو هو ۽ راتين جون راتيون گنجي ٽڪر تي مجنون ٿي گذاريندو رهيو. آخرڪار وڏين ڪوششن سان هڪ انگريز عورت کي مسلمان ڪري ساڻس شادي ڪرائي وئي، ان مان کيس ٻه لائق فرزند ڄاوا. مير عبدالحسين خان فرست ڪلاس اسپيشل مئجسٽريٽ به ٿي رهيو. هو شاعرن جي مجلسن، راڳيندڙن جي محفلن ۽ درويشن جي صحبت ۾ به گذاريندو هو، ته ان سان گڏ ڪورٽ جو ڪم به پوريءَ طرح سرانجام ڏيندو هو. هو شڪار جو به بيحد شوقين هو. هر سال سياري توڙي اونھاري ۾ شڪار ڪرڻ نڪرندو هو. ڪڏهن ٿر جي پٽن تي، ڪڏهن ڪيٽين ۾ ته ڪڏهن وري ڪيرٿر جبل جي دامن ۾ شڪار ڪندو رهندو هو.

مير عبدالحسين سانگي، حضرت شاهه عبداللطيف ڀٽائيءَ جو معتقد هو ۽ سندس ڪلام سان بيحد پيار هوس. هو ننڍپڻ کان وٺي فقيري خيالن جو هوندو هو. عشق بازيءَ وٽر کيس فقير ڪري ڇڏيو هو. جيتوڻيڪ هو امير گهراڻي جو ماڻهو هو، پر سندس دل دردمند هوندي هئي. کيس پنهنجي ملڪ جي غريب ۽ پورهيت ماڻهن سان انس هو. سندس دل تي فقيراڻو رنگ چڙهيل هو. انهيءَ ڪري هن پنهنجو تخلص ”سانگي“ اختيار ڪيو. ”سانگي“ معنيٰ ”ڪجهه وقت گذاري وڃڻ وارو“.

سانگي صاحب جي ڪلام ۾ صوفيانه، اخلاقي، عاشقانه، فطرت نگاري، سیرت نگاري، مداحيه ۽ مذاقيه مضمون آهن. هن جڏهن ٻي شادي ڪئي ته سندس دماغ تان عشق جي مستيءَ جا

ڀردا لهي ويا، تڏهن پنهنجي شعر ۾ چوي ٿو ته:  
 جنهن ٿي ڏٺو مون کي، تنهن ٿي چيو چريو چريو  
 پنهنجي پرين ڏي مون جي ڏٺو ٿي وريو وريو.  
 فرقت ۾ پنهنجي حال تي مون پاڻ ٿي رڻو،  
 سيڪنهن چيو ٿي عشق جو ڏونگر ڏريو ڏريو.  
 سچ آهي سنگ سخت کان انسان سگدل،  
 جن ري نه دم سريو ٿي سو سانگي سريو سريو.  
 مير سانگي صاحب جن جڏهن اڃا کلڪتي ۾ هئا، ته اُن  
 وقت چيو اٿن ته:

پيارج پرت جو پيالو    الّا با اَيُّها السّاقِي،  
 اسان جو ملڪ ٻنگالو    الا يا اَيُّها السّاقِي.

مير عبدالحسين سانگيءَ چوهتر ورهين جي عمر ۾ سنه  
 ۱۹۲۴ع ۾ وفات ڪئي. سندس وصيت مطابق کين ڀٽ شاهه تي  
 دفن ڪيو ويو.

## پير حسام الدين راشدي

انسانُ فردَ جي حيثيتَ سان جڏهن پنهنجي انفراديتَ جا جوهر ڏيکارڻ لڳي ۽ سائنس گڏ رهندڙ ۽ ڪم ڪندڙ هم جنسَ هُنَ جي خويين کان متاثر ٿي پنهنجي سوچَ ۽ سيرتَ کي موڙڻ لاءِ آماده ٿين ته اُن فرد کي رهبر چئجي ٿو. جيڪڏهن ڪو فرد پنهنجي تائيدَ ۽ حمايتَ جي حد تائين ماڻهن ۾ مقبول ٿئي ته اُن کي ورڪرُ ۽ ڪارڪنُ چئجي.

سند رهبر به پيدا ڪيا ته ڪارڪن به.

ماڻهن جي هُنَ بي تحاشا هجومَ ۾ اُهي انسان جيڪي سوچين ٿا، لوچين ٿا ۽ ڪنهن ڪارائتيءَ وٽ کي ڳولين ٿا ۽ اُن راهه ۾ رُڪاوٽن ۽ مشقن کي پوڳين به ٿا، پوءِ اُن ڳوليل وٽ کي پنهنجي قوم آڏو آچين ٿا، جيئن اُن مان انهن جو پلو ٿئي، اهڙا انسان انسانيت جا محسن آهن. پوءِ اُها وٽ ادب جي حيثيت ۾ هُجي، شاعري هُجي، فلسفو هُجي، سائنسي ايجاد هُجي، نظرياتي قدر هُجي، علم ۽ فن جي ڪنهن به شعبي سان تعلق رکندڙ شيءِ هُجي. اُها پوريءَ قوم لاءِ وقف ٿي وڃي ٿي، ۽ اُن اديب، شاعر، محقق، فنڪار، سائنسدان ۽ سياستدان وغيره کي قابل قدر ۽ قابل احترام شخصيتن جي فهرست ۾ جاءِ ملي ٿي. اهڙيءَ طرح قومون پنهنجي اجتماعي ڪردار جي برڪت ۽ حرڪت جو تسلسل برقرار رکڻ ٿيون.

اسان جي آڄ جي صحبت جو فرد به اهڙن ئي بابرڪت عالمن ۽ محققن جي صفِ اول جو منفرد شخص آهي، جيڪو حسام الدين راشديءَ جي نانءَ سان ملڪ توڙي ملڪ کان ٻاهر پنهنجي بصيرت



۽ سيرت جي هڳاءُ کان مشور آهي. پير حسام الدين راشدي پنهنجي سِر پاڻ هڪ مڪتب هو، حقائق جو وسيع ايوان هو. تواريخ، ادب، شعر - خاص طور تي فارسي زبان جي قديم توڙي جديد علم و ادب جي ذخيرن جو وڏو ڄاڻو ۽ قدردان هو. سنڌ فارسي زبان ۽ ادب کان صدين کان روشناس هئي، ۽ مٿس ايران ۽ افغانستان جي تهذيبن جو خاصو اثر هو. راشدي صاحب سنڌ ۽ ايران جي علمي ميثاق جو نه رڳو قدردان هو بلڪ اُن جو امين هو.

سندس شخصيت جي اها عظمت هئي ته هو باوجود هڪ پير ۽ سيد خاندان جي فرد هوندي، روايتي ۽ مڌي خارج پيري مريديءَ جي بي سوڌ ۽ بي فيض سلسلن کان باغي هو.

هو هڪ روشن دماغ، خوددار ۽ بي باڪ نقاد هو، جنهن پنهنجي ساري ڄمار تحقيق، تدوين ۽ تلاش حق ۾ صرف ڪئي. هو سنڌ جي هڪ ڳوٺ بهمن ۾ ڄائو، مگر سندس سيرت ۽ فضيلت جو واس پوري برصغير، ايران ۽ افغانستان جي علمي حلقن تائين پکڙيو.

سنڌ ۾ هن اردو، سنڌي، سرائڪي، پنجابي ۽ پشتو زبانن جو چڱيءَ طرح اڀياس ڪيو ۽ هر هنڌ پنهنجا دوست ۽ قدردان پيدا ڪيا.

هو ڪُل وقتي طالبُ العلم ۽ طالبُ التحقيق هو. جيتوڻيڪ روايتي طور تي هو ڪنهن ڪاليج، يونيورسٽيءَ، يا دارالعلوم جو باقاعده استاد ۽ معلم ڪونه هو، ۽ هن جا ڪي رسمي شاگرد ڪونه هئا، مگر نجي محفلن ۽ شغلن ۾ ۽ ادبي گڏجاڻين ۽ اهم قومي ورسين جي موقعي تي، هن جي ٻولن ۽ ڳوٺن جا ڪيئي مشتاق هئا، جيڪي کيس احترام سان ٻڌندا هئا، ۽ فيض حاصل ڪندا

هئا. پاڻ هونءَ ڪيترن تحقيق ۽ ريسرچ جي طالبن جي، خاص طور تي تاريخ ۽ ادب جي موضوعن تي، رهبري ڪندا رهيا، جن پوءِ بي-ايڇ-ڊيءَ جي اعليٰ سنڌن کي حاصل ڪيو.

پاڻ ڪيترا ئي مقالا ۽ مضمون، ملڪي ۽ بين الاقوامي رسالن ۽ ادبي شهپارن ۾ تحرير ڪيائون. سندن ضخيم تصنيفات ۽ تاليفات جو به خاصو تعداد آهي، جن مان ڪي اهم نالا هي آهن:

1. ڳالهيون ڳوٺ وڃن جون.

2. هو ڏوٿي هو ڏينهن.

3. تذڪره امير خاني.

4. تاريخ مظهر شاهجهاني.

5. مقالات الشعراء.

6. مير معصوم بکري.

اهي سندس شاهڪار تصنيفون تاليفون آهن. پاڻ انجمن ترقيءَ اردو جو مستقل ميمبر رهيو، اردو ڊيولپمينٽ بورڊ جو ميمبر ٿي رهيو، سنڌي ادبي بورڊ جو به مستقل ميمبر رهيو، ڪراچي يونيورسٽيءَ جي ائڪيڊميڪ ڪائونسل جو ميمبر هو، سنڌ يونيورسٽيءَ جي سينيٽ جو ميمبر رهيو، سنڌ يونيورسٽيءَ جي سنڊيڪيٽ تي 1963ع کان ميمبر مقرر ٿيو، جنهن تي آخر تائين برقرار رهيو. پاڪستان سرڪار 1958ع ۾ نئشنل ميوزيم ٺاهڻ لاءِ هڪ ڪاميٽي جوڙي، ان جو به راشدي صاحب آخر تائين ميمبر رهيو.

1964ع ۾ حڪومت پاڪستان طرفان کيس تمغه امتياز ڏنو ويو.

1965ع ۾ کيس پاڪ روس ڪلچرل ائسوسيئيشن جو نائب

صدر چونڊيو ويو.

1966ع ۾ افغان حڪومت جي دعوت تي افغانستان ويو،  
جتي پاڪ افغان مشترڪ تاريخي ورثي ۽ لاڳاپي تي تحقيقي مواد جو  
مطالعو ۽ موازنو ڪيائين.

1900ع ۾ ايران جي شاهه جي دعوت تي ايران ويو، جتي  
شاهه ايران فارسي زبان ۽ ادب جي تاريخ ۽ تحقيق جي خدمت جي  
صلي طور کيس نشانِ سپاس (درجہ اول) عطا ڪيو.  
پاڻ پهرين اپريل 1982ع تي اسان سيني کي الوداع چئي،  
اهڙي پار هليا ويا، جيڏانهن هرڪو وڃي ٿو پر جتان موٽڻ ممڪن  
ناهي.

## رئيس غلام محمد خان پُرگڙي

سند جي جاگيرداري ۽ زمينداري سماج ۾ ڪي ٻنهي ٿورا زميندار ۽ وڏيرا آهڙا به ٿي گذريا آهن، جي دستوري وڌيڪي مزاج سان گهمند، خودغرضي، ڏاڍائي، بي حسي، غريبان مار، استحصالِي عين کان آجا قرار ڏئي سگهجن ٿا. انهن ۾ جناب غلام محمد خان پُرگڙيءَ کي سرفهرست ڳڻي سگهجي ٿو. هن بظاهر رئيس ۽ وڏي زميندار جي جبلت ۾ انسان ذات جي ڀلائيءَ ۽ همدرديءَ جو ڪو انگورئون ڀلو سلو موجود هو. مظلومن، مسڪينن ۽ غريبن لاءِ هن جو هڏ ڪرڪندو هو. انهي معاملي ۾ هو ڏاڍو ڪو بي غرض، حساس ۽ مخلص ماڻهو هو. هن عام ماڻهن، هارين نارين ۽ پورهيت طبقي لاءِ جيڪي به سياسي ۽ سماجي ڪشالا ڪيا ۽ انهن جي ستاري لاءِ جا به جدوجهد ڪئي، ان جي پوئتان ڪابه نمائشي ڪيفيت ۽ واهه واهه جي تمنا ڪانه هئي.

سند جي هن آزاد خيال، باهت زميندار 1908ع ۾ انگلنڊ مان بئريسٽريءَ جو امتحان پاس ڪيو ۽ حيدرآباد شهر ۾ آچي وڪالت جي فرم کوليائين ۽ ان سان گڏوگڏ سياست ۾ به حصو وٺڻ شروع ڪيائين. ان دوران شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ به مسلمان ٿي آچي رئيس غلام محمد پُرگڙيءَ وٽ رهائش اختيار ڪئي. پُرگڙي صاحب جيئن ته ”الامين“ اخبار جاري ڪري چڪو هو، ان جي ايڊيٽريءَ جي چارج شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ جي حوالي ڪيائين.

پُرگڙي صاحب 1909ع کان انڊين نئشنل ڪانگريس جو

ميمبر ٿي رهيو ۽ هر سال بلا ناغي ان جي اجلاس ۾ شرڪت ڪندو رهيو. ساڳئي سال جي آخر ۾ ”منٽو مارلي رفرمس“ تحت، نيون چونڊون ٿيون. انهن ۾ زميندارن ۽ جاگيردارن جي عيوضي طور سنڌ مان رئيس غلام محمد خان پرڳڙي بمبئي ليجسليٽو ڪائونسل جو ميمبر چونڊجي ويو، ۽ 1920ع تائين ان جو رڪن رهندو آيو. انهي مدي دوران پاڻ گهڻو ڪري غير سرڪاري پارٽيءَ ۾ رهي ڪم ڪيائين.

سنڌي مسلمانن ۾ تعليم جي گهٽتائيءَ کي محسوس ڪندي، پاڻ ”مسلم ايڊيوڪيشن سيس بل“ تيار ڪري، ڪائونسل ۾ پيش ڪيائين، جنهن موجب سنڌ جي هر مسلمان زميندار کان ڍڪ جي هڪ روپي تي هڪ پيسو اڳاڙي، هارين جي ٻارن جي تعليم تي خرچ ڪرڻو هو. پر جڏهن پرڳڙي صاحب ان بل جي تائيد لاءِ زميندارن کان صحيحن وٺڻ جي مهم شروع ڪئي، ته زميندارن جي وڏيءَ اڪثريت ان هڪ پيسي ڏيڻ کان صفا نابري واري چي، ”هارين جا ٻار پڙهندا ته اسان جي تابعداريءَ مان نڪري ويندا!“ حڪومت اڳيئي دربرده ان بل جي مخالف هئي. بهرحال، اها تجويز بحال ٿي نه سگهي!

سنڌ ۾ رسائيءَ ۽ لاپي جي نالي ۾ سرڪاري ڪامورن جي گشت وقت انهن جي غياشين ۽ شاهه خرچين لاءِ هڪڙي غير قانوني رقم زميندارن کان اڳاڙي ويندي هئي. ان جي باوجود عام غريب ماڻهن کان بيگرم ڪيترا ڪم ورتا ويندا هئا، جن جو هٿن کي ڪوبه اُجورو ڪونه ڏٺو ويندو هو. مثلاً، رستا ٺهرائڻ، جهنگ وڍرائي صاف ڪرڻ، تنبو ڪوڙائڻ، ڪامورن جي وهڻ لاءِ گاهه ۽ چارو ميسر ڪرڻ، پاڻي پرائڻ، رستن تي چٽڪار ڪرائڻ، شڪار ڪرائڻ،

وغیره. غریبن کي مار موچڙو هڻي، بي عزتو ڪري کائڻن اهي ڪم ورتا ويندا هئا، ان جو عيوضو ته پري ٿيو پر مسڪينن کي مانيءَ جو هڪ ويلو به ڪونه کارايو ويندو هو!

رئيس پرڳڙي صاحب ان نسوري ناحق ۽ ظلم کي بند ڪرائڻ لاءِ ڪائونسل ۾ زوردار موقف اختيار ڪري، تقريرون ڪيون ۽ ان زيادتيءَ ۽ زبردستيءَ جي خلاف انڪواريءَ لاءِ حڪومت تي زور ڀريو. سرڪار ان لاءِ آماده ٿي، جنهن جي نتيجي ۾ جيڪي انگ اکر پڌرا ٿيا، انهن ۾ اها حقيقت جيئن جو ٿيڻ صحيح نڪتي. سرڪار سختيءَ سان ڪامورن کي نوٽيس سرڪيولر جاري ڪري ان رسم کي بند ڪرڻ جا حڪم صادر ڪيا. مگر افسوس جو مڪمل طور وري به اها ختم ٿي نه سگهي.

سند کي بمبئي پريزيڊنسيءَ کان آزاد ڪرائي، کيس مڪمل صوبي ۽ صوبائي خودمختياريءَ جي حيثيت ڏيارڻ لاءِ رئيس صاحب ۽ سندس ساٿين، جهڙوڪ: شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ، سيٺ حاجي عبدالله هارون ۽ سيٺ هرچند راءِ وشنڊاس وغيره، گڏجي ڪوششون ڪيون، جنهن جي نتيجي ۾ نيٺ سند بمبئيءَ جي بالادستيءَ کان نجات حاصل ڪئي ۽ کيس صوبي جو درجو مليو.

ٻيا مکيه مسئلا جن ۾ خاص طرح ”عام ماڻهن جو پلو“ هو، انهن ۾ رئيس دلچسپي ورتي، ۽ انهن قانوني اقدامن واسطي پل يا انهن جي تائيد ڪئي، اهي هن ريت آهن:

1. اردو پرائمري تعليم لاءِ نهراءَ.

2. چيريٽيز رجسٽريشن پل.

3. اريگيشن پل.

4. ڊسٽرڪٽ ميونسپل پل.

5. فري ڪمپلسري ايڊيوڪيشن پل.

6. وليج پئنجائت پل.

7. ڪاٽن ڪنٽرول پل، وغيره.

ڪانگريس جو اهو اهم اجلاس، جيڪو ڪراچيءَ ۾ 26، 27، 28، ڊسمبر 1913ع ۾ نواب محمد بهادر (جيڪو ٽيپو سلطان جي اولاد مان هو) جي صدارت ۾ ٿيو، جنهن ۾ رئيس غلام محمد پرڳڙيءَ کان علاوه سر آغا خان، محمد علي جناح، لالا لچپت راءِ ۽ ٻيا سرڪردا ليڊر پڻ شريڪ ٿيا هئا. ان اجلاس کان پوءِ ڪافي سنڌي اڳواڻ جناح صاحب ۽ پرڳڙي صاحب سان گڏجي، آگري ۾ ٿيندڙ آل انڊيا مسلم ليگ جي اجلاس ۾ به وڃي شريڪ ٿيا هئا، جنهن جي صدارت سر ابراهيم رحمت الله ڪئي. اهو اجلاس ساڳئي سال 30 ڊسمبر 1931ع ۾ ٿيو. ان ۾ مسلم ليگ هندستان لاءِ خود حڪومت جو ٺهراءُ پاس ڪيو.

رئيس غلام محمد پرڳڙيءَ ان وچ ۾ جناح صاحب کان سواءِ جن ٻين اهم سياسي اڳواڻن سان لاڳاپا قائم ڪيا ۽ گڏجي جدوجهد ڪئي، انهن ۾ راجا صاحب محمود آباد، غلام علي چاڳلا، مولانا ابوالڪلام آزاد، ڊاڪٽر مختيار احمد انصاري قابل ذڪر آهن.

جناح صاحب ۽ پرڳڙي صاحب جي گڏيل ڪوشش سان ڪانگريس ۽ مسلم ليگ ۾ هڪ سمجهوتو ٿيو، جنهن کي بعد ۾ ”لکنو پيڪٽ“ جي نالي سان سڏيو ويو.

پرڳڙي صاحب 15، 16، 17 فيبروري 1920ع تي بمبئيءَ ۾ ٿيندڙ آل انڊيا خلافت ڪانفرنس جي اجلاس جي صدارت ڪئي. ان اجلاس ۾ جن مکيه ماڻهن شرڪت ڪئي، انهن مان ڪن جا نالا هي آهن:

(1) قائد اعظم محمد علي جناح، (2) مولانا ابوالڪلام آزاد،  
 (3) مولانا عبدالباري فرنگي محلي، (4) مولانا ظفر علي خان،  
 (5) ڊاڪٽر سيف الدين ڪچلو، (6) مولانا حسرت موهاني، (7)  
 مولوي فضل الحق (شير بنگال)، (8) سيٺ حاجي عبدالله هارون،  
 (9) پير رشد الله شاهه جهنڊي وارو، وغيره.

ان کانفرنس ۾ ڏهاڪو هزار کن ماڻهن شرڪت ڪئي، ۽  
 انگريزن جي خلافت پاليسيءَ کي سختيءَ سان ننڍيو ويو ۽ ان جي  
 خلاف ٺهراءُ بحال ٿيو.

31 مارچ 1923ع ۾ لکنو ۾ آل انڊيا مسلم ليگ جو اجلاس  
 ٿيو، ان جي صدارت به رئيس غلام محمد خان پرڳڙيءَ ڪئي. ان  
 اجلاس ۾ ڪافي ميمبر جيلن ۾ هئڻ ڪري شريڪ نه ٿي سگهيا  
 هئا. ان ۾ راجا صاحب محمود آباد بهرحال شريڪ هو، پرڳڙي  
 صاحب ان اجلاس ۾ هڪ تفصيلي صدارتي خطبو پڙهيو، جيڪو  
 58 صفحن تي مشتمل هو، جنهن ۾ ان وقت جي قومي توڙي بين  
 الاقوامي مسئلن تي سير حاصل بحث ڪيائين.

پرڳڙي صاحب وڏيءَ دل وارو، سخي ۽ مٿي مڙس هو.  
 زمينداريءَ مان چڱي پيدائش هئس. کيس عياشين ۽ پئسي ميڙن جو  
 حرص ڪونه هو. وڪالت کي پيشو ڪري استعمال ڪونه  
 ڪيائين. اڪثر کيس مفت ۾ ڪڍندو هو. سنڌ جا اڪثر قومي  
 ڪارڪن سندس مدد ۽ مهمان نوازيءَ مان مستفيد ٿيندا رهيا.

شيخ عبدالمجيد سنڌيءَ جي مسلمان ٿيڻ تي، هندن جي داخل  
 ڪيل ڪپس کي به پرڳڙي صاحب دوستيءَ ۾ هلايو.  
 حُرُن کي جڏهن لوڙهن ۾ بند رکيو ويو، تڏهن انهن کي آزاد  
 ڪرائڻ لاءِ به پرڳڙي صاحب ڪپس پاڻ هلايو.



پڙڳڙيءَ صاحب جو مسلڪُ ۽ مذهبي عقيدو صوفياڻو ۽  
 فرقيبنديءَ کان ڪوهين ڏور هو. ڪٽرپڻي کان کيس پڇان هئي. هن  
 درويش صفت، آزاد منش ۽ غريبن جي هڏڏوڪيءَ، بئريسٽر،  
 زميندار، اصول پرست ۽ ايماندار سياستدان 9 مارچ 1924ع تي  
 نمونيا جي بيماريءَ ۾ وفات ڪئي.

حيدرآباد جا هزارين شهري جن ۾ مسلمان، هندو، مرد عورتون  
 سڀني فرقي جا ماڻهو شامل هئا، سندس جنازي ۾ غمناڪ ٿي  
 شريڪ ٿيا. کيس پنهنجي ڳوٺ ڊينگاڻ (ٿرپارڪر ضلعي) جي  
 سندن آبائي قبرستان ۾ دفن ڪيو ويو.

## سر حاجي عبدالله هارون

جهڙيءَ طرح سنڌ جي مسلمان زميندارن ۽ آبادگارن ۾ رئيس غلام محمد خان پرڳڙي هڪ مخلص، باهميت قومي، سياسي ۽ سماجي ڪارڪن ۽ رهنما ٿي ڪم ڪيو، ساڳيءَ طرح سنڌ جي مسلمان واپاري طبقي مان سر حاجي عبدالله هارون به ملڪ ۽ ماڻهن جي پلائيءَ لاءِ بي غرض ٿي قومي خدمت جو فرض بجا آندو.

هن جا وڏا اصل ڪڇ جي لوهاڻا هندن مان مسلمان ٿي، ”موئمن“ ۽ پوءِ ميمڻ سڏجڻ لڳا. هن جي قبيلي جو هڪ فرد ميان هارون سنڌ تي انگريزن جي حملي ۽ قبضي کان پوءِ 1858ع ڌاري واپار جي خيال کان لڏي اچي ڪراچي ۾ ويٺو. انهي ساڳئي دور ۾ بمبئيءَ کان علوي ڪٽنب جا بوهرا ۽ ڊنشا قبيلي جا پارسي به لڏي اچي ڪراچيءَ وينا ۽ واپار جو شغل اختيار ڪيائون.

سيٺ هارون کي ٻه فرزند هئا، هڪ جو نالو محمد عثمان ۽ ٻئي جو نالو عبدالله هو، جو پوءِ ”سر حاجي عبدالله هارون“ جي نالي سان مشهور ٿيو. پاڻ سنه 1872ع ڌاري ڄائو، اڃا چئن سالن جو ٻار هو، ته سندس والد وفات ڪري ويو، ۽ سندس والده هن جي پرورش ۽ تعليم جو بار پنهنجي ڪلهن تي کڻي، ڏاڍيءَ هوشمنديءَ ۽ جرئت جو ثبوت پيش ڪيو. کيس پهريائين گجراتي اسڪول ۾ داخل ڪرايائين ۽ پوءِ انگريزي اسڪول ۾ تعليم ڏيارياين.

هن پهريائين ننڍي پيماني تي واپار شروع ڪيو. پر پوءِ پنهنجي محنت ۽ ايمانداريءَ سان وڏو واپاري بڻيو. واپار ۾ سندس هڪ سونهري اصول هيءُ هو ته پاڻ موڙيءَ کي خيال ۾ رکي، واپار ۾

ڪاروبار ڪندو هو، ۽ گهڻي يا ترٽ فائدي جي لالچ ۾ پنهنجي ناموس جي جوڪم کڻڻ جو عادي نه هو. ڪمائيءَ مان زڪوات جي رقم هر سال باقاعدي ۽ ايمانداريءَ سان ادا ڪندو هو.

واپار کان پوءِ پاڻ سياست ۽ سماجي ڀلائيءَ جي ڪمن ۾ حصو وٺڻ شروع ڪيائين. 1889ع ۾ حج جو فرض ادا ڪيائين. 1937ع ۾ کيس سر جو خطاب مليو. 1939ع ۾ خاندان سميت اوٽاوا (ڪئناڊا) ۾ سڌايل اقتصادي ڪانفرنس ۾ شريڪ ٿيو، ۽ موقعي ملڻ تي يورپ جو سير ڪيائين. سندس وڏي فرزند يوسف هارون جي شادي آغا خان جي ڪٽنب مان ٿي.

پاڻ 1901ع کان سياسي زندگيءَ جو آغاز ڪري چڪو هو. بتدريج ان وقت جي اهم سياسي اڳواڻن جهڙوڪ سر آغا خان، مولانا آزاد، حڪيم اجمل خان، مير ايوب خان، جمشيد مھتا، هرچند راءِ وشنڊاس، غلام علي ڇاڳلا جن سان لاڳاپا قائم ڪيائين، ۽ انهن سان گڏجي ڪم ڪرڻ جو موقعو مليس. ان وچ ۾ قائداعظم جناح صاحب سان گهاٽا لاڳاپا جوڙيائين ۽ مسلم ليگ ۾ شموليت اختيار ڪيائين.

سيپٽمبر 1919ع ۾ طرابلس جي جنگ لڳي، ته ترڪن جي مدد لاءِ ”هلال احمر“ نالي ڪميٽيون سڄي هندستان ۾ جوڙيون ويون، جيئن چندا ڪري پيسا ۽ ٻيو ضروري سامان ڪڍڻ ڪري، ترڪن لاءِ موڪلجي. سنڌ جي هلال احمر ڪميٽيءَ جو سيڪريٽري ۽ خزانچي به سر عبدالله هارون کي چونڊيو ويو.

1929ع ۾ هند سرڪار طرفان بئنڪنگ انڪوائري ڪميٽي ٺهي، ته حاجي عبدالله هارون ان جو ميمبر مقرر ٿيو. 1930ع ۾ آل انڊيا مسلم ليگ ڪانفرنس الهه آباد ۾ منعقد ٿي، جنهن جي صدارت

سيٺ حاجي عبدالله هارون ڪئي، ۽ اُن ۾ مسلمانن جي تنظيم، تعليم جي مسئلن تي ٺهراءُ بحال ٿيا. دهليءَ ۾ ساڳئي سال آل انڊيا مسلم ڪانفرنس سر آغا خان جي صدارت ۾ ٿي، جنهن ۾ پڻ حاجي عبدالله هارون شرڪت ڪئي. 1930ع ۾ سنڌ جي مسلمانن طرفان سنڌ جي مالي حالت جو تجزيو ڪرڻ لاءِ هڪ جانچ ڪميٽي مقرر ڪرڻ جو مطالبو ٿيو. سيٺ عبدالله هارون کي ان جو سيڪريٽري مقرر ڪيو ويو ۽ ان عهدي تي هُن 1935ع تائين رهي ڪم ڪيو.

هندستان ۾ ڪانگريس جي روبي کان مجبور ٿي بنگال ۽ پنجاب جي وڏن وزيرن مسلم ليگ ۾ شموليت اختيار ڪري ورتي هئي ۽ جڏهن سنڌ ۾ به ڪانگريس جي قول ۽ فعل ۾ تضاد ظاهر ٿيڻ لڳا، ته ڪراچيءَ ۾ جناب محمد علي جناح قائداعظم جي صدارت ۾ مسلم ليگ جو اجلاس سڏايو ويو، جنهن ۾ مرحبائي ڪميٽيءَ جو صدارتي خطبو سر حاجي عبدالله هارون پڙهيو، ۽ خاص طرح اُن کان پوءِ حاجي صاحب مسلم ليگ جو مکيه ۽ مخلص رڪن ٿي ڪم ڪرڻ شروع ڪيو. کيس سنڌ کان ٻاهر صدارتن لاءِ ڪافي مرتبا سڏايو ويو. 1941ع ۾ لائپور جي شاگردن جي ڪانفرنس ٿي، جنهن جي صدارت پاڻ ڪيائين ته 1942ع ۾ الهه آباد ۽ انڊيا سيرت ڪانفرنس ٿي، جنهن جي صدارت به جناب عبدالله هارون ڪئي.

27 اپريل 1942ع تي حاجي صاحب اوچتو دل جي دوري پوڻ ڪري وفات ڪري ويو. مرڪزي اسيمبليءَ ۾ سندس خالي ڪيل جاءِ تي سندس فرزند يوسف هارون پٺا مقابلي چونڊجي آيو. سنڌ ۾ سنڌي مسلمانن جي عام پلي لاءِ سوچيندڙ ۽ فعال

سياستدان سيٺ سر حاجي عبدالله هارون جو خال اهڙو هو، جو پرڄي نه سگهيو. پاڻ سنڌ ۾ تعليمي، سماجي، اقتصادي ۽ سياسي ستارن آڻڻ لاءِ هڪ مخلص ۽ سچاڙ ڪارڪن جي حيثيت سان جيترو سرمايو، وقت ۽ محنت ڪم ۾ آندائين، ان لحاظ کان سندس شخصيت بجا طور تي سنڌ ۽ پاڪستان جي صف اول جي رهنمائن ۾ شامل ٿيڻ جي مستحق آهي.

## عمر مارئي

عمر سومري جي زماني ۾، ٿر ملڪَ جي ملير ڳوٺ ۾، پالڻي نالي هڪ پهنوارُ رهندو هو. هيءُ ميسڪين مارو ۽ سندس زال ماڏوئي سارو ڏينهن مالَ سان پهري، اُن کي جهنگُ چاري ايندا هئا. سندن گذرانُ ڌڻ ڏونري ۽ جهڻ مڪڻ تي هوندو هو. ڪجهه ٻني ٻارو به هُئڻ جنهن جي پوکَ ڦوڳَ نالي هڪ هاريءَ جي همراهيءَ سان ڪندا هئا. کين سڪي پني هڪ نياڻي ڄاڻي هئي، جا ڄاڻندي حور جهڙي حسين هئي ۽ جيئن ويئي وڌندي تيئن ويئي هيڪاري سونهن ۾ سرسُ ٿيندي. آخر جڏهن سامائي، تڏهن سندس حسنَ جي هاڪَ هنڌين ماڳين هلي ويئي. اُها سويپاوانِ سنڌري، جا مارو قومَ جو مرڪُ هئي، تنهن کي سڏيندائي ”مارئي“ هئا.

پالڻي کان ئي ڦوڳَ جو مارئيءَ تي ڏاڍو ارواحُ هو. سو هاڻي ته سندس جوانيءَ جو جلوو پسي، ويترِ مٿس مستُ ٿي پيو. آخر پاڻ جهلي نه سگهيو، هڪ ڏينهن وجُهَ وٺي پالڻي کان مارئيءَ جو سنگَ گهريائين. پالڻي ته مارئيءَ جي ماڻهي پنهنجي هڪ نيائيءَ، ڪيتَ سين، سان اڳيئي ڪري ڇڏي هئي، سو صفا نابري واريائين. ڦوڳَ جون آسُون اُميدُون سڀ پٽ پئجي ويون ۽ نهن کان چوڻيءَ تائين باهر وٺي ويس. پوءِ ته ساڙي ۽ حسدَ وچان ويرَ وٺڻ جون، سئون ستن لڳو. پهر پچائي پچائي، آخر اها رتَ رٿائين ته ڪو حيلو هلائي، مارئيءَ کي عمر جي ڦندي ۾ ڦاسايان. انهيءَ مرادَ سان مليرُ ڇڏي، اُتي امرڪوٽ ڏي پنڌ پيو، ۽ سئون ڏيندو ستُ ٿي اچي منزلَ مقصودَ تي پهتو. عمر اُوڏي مهل پنهنجن اميرن وزيرن سان ڪچهري ڪيو

وينو هو، ۽ کين هدايتون پئي ڪيائين ته رعيت سان ستم ڪرڻ آهي پنهنجي پير تي ڪهاڙو هڻڻ. اوچتو سندس اک وڃي ٿوڳ تي پيئي، جو در وٽ داد لاءِ دانھون ڪري رهيو هو. هن کي هڪدم سڏائي، کائڻس پڇيائين. ته ”تون ڪير آهين ۽ توسان ڪهڙي ويدن آهي؟“ ٿوڳ هٿ آڏو جا ٻڌي عرض ڪيو ته ”جيئنڏا قبل! هن بندي کي حضور جن سان هڪ خلاصي خبر ڪرڻي آهي.“ عمر انهيءَ ساعت ڪچهري برخاست ڪئي، ۽ ٿوڳ کي فرمايو ته ”چو، جيڪي چوڻو هجيئي.“ ٿوڳ عرض ڪيو ته ”جهان پناهه! ملير جي ڳوٺ ۾ مارئيءَ نالي هڪ نينگر آهي، جنهن جي ڪهڙي صفت ڪريان. آهي سا دٻار جي ڌيءَ پر سڄ به سندس اڳيان سرُ نمائي ٿو. لکن تي ليڙون اٿس، پر جي لاکيٽو لباس پھري ته هوند پرين کي به پري بيهاري. اهڙي من موھڻي صورت شاهي محلات ۾ ئي سونهي.“

اهو حال سڻي عمر کي نياءَ جون نصيحتون وسري ويون، مارئيءَ جي اڻ ڏٺل صورت تي آڪڻ ڇڪڻ ٿي پيو ۽ پڪو پرين ڪيائين ته کيس حيلي بهاني هٿ ڪري، پنهنجي پٽ راڻي بڻائيندس. پوءِ پاڻ ۽ ٿوڳ ويس بڌلائي، وهٽ پلائي، ملير ڏي ڪاهيندا ويا. ٻه چار منزلون ماري، ٽئين ڏينهن سڄ اُڀري ٿي، اچي ملير کي اوڏو پيا. هاڻ پاڻ ۾ پهڻ لڳا ته ڪهڙيءَ ريت مارئيءَ کي ٿسلائي ٿندي ۾ آڻجي. اُهي گهاٽ گهڙيندا، اچي ڳوٺ واري ڪوه وٽ نڪتا. ٿر جا ڪوه اڪثر اونهن ٿين ٿا، جن مان پاڻي ڪڍڻ البت وقت پڄي. انهيءَ سبب ٿر جاڻوڻ آڌيءَ اُٿي، سنجڻ وينديون آهن، ۽ جيڪي ويسليون ٿي سمهي رهنديون آهن، تن کي ڏينهن جو وارو مشڪل ملندو آهي، چوٽه پوءِ گهر جي پيءُ ورتڻ ۾ ئي رڌل رهندڙون

آهن. مارئيءَ به راجَ جي رواجَ پٽاندڙ، هر روزُ وڌيءَ ويرَ اُتي، کوھ تان پاڻي ڀرڻ ويندي هئي. قضا سان اڄ ننڊَ نهوڙي نيو هوس، سو جيئن جاڳي، تيئن گهڙو کڻي، اُتي کوھ ڏي هلي. اُتي سندسِ هڪ ساهيڙي به بيٺي هئي، جنهن سان اڃانِ ڪلياڻن ڪيڪارياڻن پئي، ته اوچتو سندس اکِ پريان اُٺَ تي ايندڙ مسافرن تي وڃي پيئي. انهن اوڻڻو آدمين کي ڏسي مارئي هيسجي وئي، ۽ گهڙو اتي ئي ڦٽو ڪري، پويان پير ڪرڻ لڳي، پر سندس ساهيڙيءَ کيس همٿائي چيو ته ”چوڻي چرڪين؟ هي ويچارا ڪي وانهڙو ٿا ڏسجن. الائجي مٿان پاڻ ۽ سندس وهتَ اڃايل هجن ۽ پاڻيءَ لاءِ هيڏانهن ايندا هجن. گهڻي ڀر گهڻو ته به پاڻ کان پاڻيءَ لپَ گهرندا، ۽ اُن جي عيوضِ پاڻ به کانئن ملڪَ جو واءُ سواءِ لهنديون سين.“ ساهيڙيءَ جي صلاحَ تي لڳي، جهڙو موٽي تڙ تي آئي ته وانهڙو به اچي مٿان ڪڙڪيا. ڦوڳُ اڳيئي عمرَ کي ڦوڪَ ڏيئي ڇڏي هئي ته ”مارئي اها اٿيئي.“ اهڙو حسنُ پسي، عمرَ جي نينهن کي نئون نيشُ اچي ويو. پوءِ پاڻي پيئڻ جو بهانو ڪري اُٺَ هڻائي، لهي هيٺ ٿيو، ۽ اڳيرو وڌي مارئيءَ کي منٿَ ڪيائين ته ”پاڻيءَ ڏکُ پيار.“

ويچاريءَ وسوڙلَ جيئن پاڻ پري عمرَ کي ٿي آچيو، تيئن هن کيس بازن کان جهلي کڻي اٺَ تي چاڙهيو ۽ واڳون وٺي، اُتي وطنَ ڏني وريو.

امرڪوٽ اچڻ سان، عمرَ مارئيءَ کي نيئي وڃي محلات ۾ قابو ڪيو. رات جو وٽسِ لنگهي ويو. ڏسي ته هوءَ رتُ پيئي روئي. سو کيسِ ليلائي چوڻ لڳو ته ”روحَ راڙي مان ڇا ورنڊو؟ ڏڌو ڪير وري ٿئين ڪين پوندو، هاڻي هتي ئي رهي، منهنجي پٽَ راڻي ٿي ويهر.“ منهنجون ٻيون سڀُ راڻيون تنهنجون گوليون ٿي گذارينديون، ۽ آءُ به



ساري عُمر تنهنجو ٻڌو ٻانهون ٿي رهندس. ”پر ماريءَ جيئن ويئي پنهنجا پکا ۽ پهنوار ياد ڪندي، تيئن ويتر ويئي هنجون هاريندي. آخر جڏهن عمر گهڻو ستايس، تڏهن جواب ڏنائينس ته ”منهنجون ڪيت سڀ سان ازل کان ئي لاڻون لڌل آهن. سو هن بنان منهنجو جيءُ ٻئي ڪنهن سان مُور نه بجهندو. مهر ڪري، مون کي موڪل ڏي ته آءٌ موٽي ملير وڃان.“ پر عمر نه مڙيو ۽ سمجهيائين ته جيئن وقت ويندو گذرندو، تيئن ماريءَ ويندي هوڏ تان هٽندي. سندس اها اميد اجائي هئي. جيئن ويئي ويرم پوندي، تيئن ماريءَ جي من ۾ ويئي عمر لاءِ ڌڪار وڌيڪ ٿيندي. راتو ڏينهن سانگين کي ساري، پيئي جهرندي ۽ جهجندي هئي. پر انهن مان به ڪو واهرو ڪونه وريو.

عمر به سندس پچر نه ڇڏي، روز رات جو وڃي لالچون ڏيئي ريهيندو ريهيندو هوس. پر ماريءَ پکن جي پريت ماڙين سان مُور نه مٽي، مارن لاءِ جا اندر ۾ اڪير هيس، سا هرگز ماني نه ٿي ٿيس. عمر جي پٽ پٽيهرن ۽ بخمل بافتن کي آباڻيءَ لوييءَ جو مٿ نه ڪيائين. هن جي سونن روپن گهڻن، عطرن، عيرون، پُلاهن ست رچين ۽ ميون مٺاين کي تڄ سمان ڪري سمجهيائين. عمر گهڻوئي ڌتاريس، پر وريوئي ڪين. آخر ڌمرو وچان ڪڍي ڪوٽ ۾ قيد ڪيائينس. بس، پوءِ ته ويچاريءَ کي ٻنهي پارين حياتي وهڻ ٿي آئي. هيڏانهن عمر جا اهنج ۽ ايڏا، هوڏانهن مارن جي لاغرضي ۽ بيپرواهي. اُتر لڳي، ڪوهه تان ڪڇي آئي هئي، مٿان اچي واهوندا وريا. مارن جون مند مند جون هاجون ياد ڪري هنجون پيئي هاريندي هئي. سندس ورلاپ ٻڏي واهڙو به اکين مان آبُ پيا آئيندا هئا. جي سانپڙا اچي سار لهنس ها، ته بندي بند نه ساري ها.

هاڻي اچي مينهن جي موسم ٿي آهي، مارو مال ڪاهي، ڏٺين پٽين پڪڙجي ويا آهن. هرڪو پنهنجي هاڃ ڪم ۾ ئي پورو آهي، مارئيءَ جو محلن ۾ هينئون پيو منجهي. نااميد ۽ نراسائي وڪوڙي وئي اٿس. کڻي ليڙون ليڙ ٿي ويئي اٿس. چڱن ۾ چيڙهه پئجي ويا اٿس. دل ۾ جا درد جي ڏونهين پئي دکيس، تنهن هڻي منهن ميو ڪري وڌو اٿس. کادو پيتو ڇڏي ڏنو اٿس ۽ مرڻ وهڻي اچي ٿي آهي. سو عمر کي سڏائي کيس ٻاڏائي چوي ٿي ته ”جيئري ته آجائيءَ جو ڏينهن نه ڏنم. هاڻ وطن لاءِ واجهائيندي، جي هت مري وڃان ته مهر ڪري، منهنجو مڙهه ملير روانو ڪج، ۽ ڪفن منهنجو مڙ ۽ لوبان سان واسڻ بدران، ان کي منهنجي ڏاڏائي ڏيهه جي ولين جو واس ڏج.“ ائين چئي ساڻي ٿي ڪري پئي.

مارئيءَ کي ايئن بيحال ڏسي، عمر جي دل اٽلي آئي. سو هڪدم سندس بند خلاص ڪرڻ جو پھ ڪيائين.

هن جو اهڙو ست ۽ سچائي ڏسي، سندس من پڇي پيو، ۽ هن ستيءَ سلڇڻيءَ کي پنهنجي سڳي پيڻ ڪري سمجهڻ لڳو، ۽ هن جي مارن ڏانهن ماڻهو مڪائين ته ”اچي پنهنجي امانت وٺي وڃو.“ هي سنيهو سڻي، ويچارن مارن ۾ نئون ساهه پيو، پر شڪ پين ته متان عمر اسان کي ڪوڙو دلبو ڏيندو هجي، سو هڪ اوڻي سنپرائي روانو ڪيائون ته وڃي سڌ سماءُ لهي اچي. اوڻيءَ امرڪوٽ ۾ پهچي، مارئيءَ سان ملاقات ڪئي ۽ دلداري ڏنائينس ته ”جهڙو ست سنيل رکيو اٿيئي، تهڙو ئي رکيو اچجانءِ، اجهو واهرو ورياکي وريا.“ پوءِ وهلوئي ملير موٽيو ۽ مارن کي وڃي سارو حال سڻايائين. ساري ڏيهه ۾ واڏايون وري ويئون. پوءِ ته مارئيءَ جا مائت ۽ ڪيت سين گڏجي امرڪوٽ آيا. عمر ساڻن وڏا سهج ڪيا. ۽ مارئيءَ کي

سوڪڙيون سڙيون ڏيئي کيس سندن حوالي ڪيو.

پر ڪيتَ سينَ جي منَ ۾ ماريءَ بنسبتِ بدگمانُ ويهي ويو هو،  
۽ کائڻسَ گوشو پيو ڪندو هو، ۽ اٿندي ويهندي ويٺَ پيو وجهندو  
هوس.

سانگي سان عمرَ کي پتو پئجي ويو ته ڪيئن نه ڪيتُ سينُ  
ماريءَ جي ستَ ۾ شڪُ آئي، خود سندس بدنامي ڪري رهيو  
آهي. ڏاڍي مٺيان لڳيس. سو هڪدم فوجَ سنڀرائي مارن تي حملو  
ڪرايائين. مارن کي ڪڙڪَ پئجي ويئي، سو اُٿي ڀڳا. هاڻي ته  
هڪاري چو پچو ٿيڻ لڳي. تنهن تي عمرُ ماڻهن کي به چوڻ لڳو ته  
”هن سَتيءَ جو ورُ چوڻو کيس مفت آڌاري؟ اها ڪا خبر پويستِي ته  
ائين ڪرڻ سان پنهنجيءَ نورَ جيان شفاف زالَ سان ڪيڏو انياءَ  
ڪري رهيو آهي! هوڏانهن هيءَ سڄي روئدادِ ڏسي، ماريءَ کي  
ڏاڍو ارمانُ ٿيو، پوءِ مارن جي هيءَ پاڪدامن نياڻي، نيات جي زالن  
کي تسلي ڏيئي، پنهنجي معصوم منَ جي زور تي سڌو عمرَ وٽِ  
لنگهي ويئي، ۽ وڃي چيائينس ته ”توَن هن ملڪَ جو والي آهين،  
جي اهڙا ابتا پار نه هلين ها، ته اڄُ نه پاڻ کي پُٺائين ها، نه مون کي.  
پراڻيءَ لڄ کي ٻارهن مهينا ڪوٽ ۾ قابو رکي، ناحق هن کي شڪَ  
شبهي جو شڪارُ بنايئي! لوڪَ کي سچَ ڪوڙَ جي ڪهڙي ڪل؟  
جي اسان تي بهتانُ رکيائون، ته انَ ۾ ڪهڙو عجب؟ غيرت وڃان  
جي منهنجو پتارُ مون کي هڻي ماري وجهي، ته به ڏوهي نه چئبو.  
تلافِي ته ڪا نه ڪيئ، اٿلو آيو آهين ڏکويلن کي وڌيڪَ ڏکيائين!  
پنهنجا افعال ساري امينُ ٿي ڏس، ته ڪنهن جو ڏوهه آهي؟“ عمرَ  
کي اها ڳالهه دل سان لڳي آئي، ۽ پنهنجي ڪئي کان پشيمانُ ٿي،  
فوجَ واپس گهرائي ورتائين. پوءِ ڪيتَ سينَ کي سڏائي چيائين ته

”قسم ڪئي ٿو چوان ته مون کان ڪا خيانت سرزد ڪانه ٿي آهي.  
 انهيءَ ڳالهه کي ثابت ڪرڻ لاءِ آءُ ڪهڙيءَ به پريڪشا لاءِ تيار آهيان.“  
 پر ماري چيو ته ”پريڪشا مون کي ئي جڳائي، من ائين ئي پاڻ تان ۽  
 پنهنجي ڪُرتان ڪارنهن جو تڪو لاهيان!“ اها رت قبول ٿي. پوءِ  
 هڪ آڙاهه تيار ڪرايو ويو، ۽ منجهس هڪ لوهه جي سينڱ تپائڻ لاءِ  
 وڌي ويئي. جڏهن اها تپي لعل ٿي، ۽ ڪنوڻ جيئڻان جهلڪا ڏيڻ  
 لڳي، تڏهن ماري اُن کي هٿن ۾ جهلي بيٺي. خدا جي جوڙ، جو  
 لهس به ڪانه آيس. هاڻي سڀني جي نظر ۾ هوءَ سڀ عيب کان آجي  
 ٿي، ۽ جڳهه کي تصديق ٿي ته هوءَ تحقيق سٽي آهي. قدرت جو اهڙو  
 عجب رنگ پسي، عمر به پنهنجي سچائي ثابت ڪرڻ لاءِ مٽي مڇ ۾  
 ڪاهي پيو. سندس وار به ونگو نه ٿيو. هاڻ ماڻهن جا وات بند ٿي  
 ويا. هن کان پوءِ مارن جو ۽ سڄي ملير ديس جو منهن مٽي ٿيو،  
 ڪيت سين ۽ ماري به پاڻ ۾ ڪير ڪندڻ ٿيا ۽ پنهنجي سڄي راج پاڳ  
 سان باقي حياتيءَ جا ڏينهن هُو سڪ سانت ۾ گذارڻ لڳا.

## سسئي ۽ پنهنون

راجا دلوراءَ جي زماني ۾ ڀانڀرواهه جي ڀر تي، تاتيا نالي هڪ ٻانڀڻ رهندو هو. پاڻ ۽ سندس گهر واري، جنهن جو نالو مندار هو، سي ٻئي اولاد لاءِ سڪايل هئا. نيٺ پيريءَ ۾ کين هڪ نياڻي ڄائي، جا سونهن ۾ چوڏهينءَ جي چنڊ کي به شهه ڏيئي وئي. پر سندس ستاري مان معلوم ٿيو ته سندس انگ ڪنهن مسلمان سان اڙيل آهي، اهڙيءَ شهرت ۽ بدناميءَ کان پاڻ بچائڻ لاءِ تاتيا ۽ سندس ناريءَ انهي بي بها موتيءَ کي وڏي افسوس سان صندوق جي سڀ ۾ درج ڪري، درياءَ ۾ داخل ڪيو. صندوق لهرن ۾ لڙهندي، قضا سان اچي ڀنڀور جي ڀرسان ڪناري تي نڪتي. انهيءَ شهر ۾ محمد نالي هڪ ڌوڀي رهندو هو، جنهن کي ”لالا“ به ڪري سڏيندا هئا. سندس هٿ هيٺ پنج سو ڪاريگر ڪمائيندا هئا، ۽ چڱيءَ پونجِيءَ وارو هو. پر ويچاري کي اولاد پٽيءَ ڪونه هو. جڏهن ڪاريگرن جي نظر ان پٽيءَ تي پئي، تڏهن ان کي پاڻيءَ مان ڪڍي، پنهنجي استاد وٽ کڻي آيا. ڌوڀي صندوق کولي جان کڻي ڏسي، ته هڪ سدا سهڻو ٻار منجهس سٽو پيو آهي! ٻار کڻي پنهنجي گود لائين ۽ مٿس ”سسئي“ نالو رکيائون، جنهن جي معنيٰ آهي ”چنڊ“ (سن. شيشي). سندس زال سسئي کي گهڻي لاڏ ڪوڏ مان نپاڻڻ لڳي. ماڻهو سندس موهڻيءَ صورت تي مفتون ٿي پيا، ۽ جيڏانهن ويندي هئي، تيڏانهن سندس چنڊ جهڙي منهن جي چوڌاري ڪٽيءَ جي تارن وانگر ميڙ ڪري بيهندا هئا. گاڏر جون اڪيون به سسئي کي ڏسيو پيون نرنديون هيون ۽ هن جي سڪ ۽ آرام لاءِ هو هرڪا

ڪوشش ڪندو هو: هن لاءِ هڪ عاليشان محل اڏايائين، جنهن جي چوڌاري هڪ وڏو باغ رکيائين، جنهن ۾ هوءَ پنهنجي سهيلين سان گڏجي آڻڻ ۾ ويهي ڪٽيندي هئي.

ان زماني ۾ ڪيچ مڪران جا قافلا پنيور جي شهر مان لنگهي، نئي ۽ ٻين ملڪن ڏانهن واپار ڪرڻ لاءِ ويندا هئا ۽ سسئي جي سونهن جون هاڪون ٻڌندا وڌندا هئا. نيٺ ڪن وڃي اها خبر ڪيچ جي حاڪم آريءَ ڄام جي پٽ پنهنوءَ کي سڻائي. ٻڌڻ شرط پنهنوءَ جي دل ديواني ٿي پيئي، ۽ هو واپاريءَ جو ويس ڪري هڪ وڏو قافلو سنيرائي، مشڪ ۽ عنبر جا انبار ساڻ ڪري، جلدئي اچي پنيور ۾ وارد ٿيو، جن جي ڪٿوريءَ ۽ خوشبوءِ سان هڪدم سارو شهر واسجي ويو. سسئي کي جڏهن اهڙي سڏ پيئي، تڏهن عطر سودن جي ارادي سان هار سينگار ڪري سهيلين سميت، پنهنوءَ جي منزل تي ويئي. سسئيءَ جي صورت ڏسي پنهنوءَ جو هيٺڙو هيڪاري هٿن مان چٽائي ويو. هوڏانهن وري سسئيءَ کي به پنهنوءَ جي پيشانيءَ پسن شرط، پرڻ جو پيچ پئجي ويو، ۽ هن نيٺ پنهنجي اندر جو آواز هڪ سڪيءَ سان اوريو، جنهن کي منت ڪيائين ته ڪابه تجويز وٺهائي، آبي کي رهي رهي، منهنجو پنهنوءَ سان سڱ ڪر آءِ! ”سهيليءَ وڃي ڌوپيءَ سان ڳالهه ڪئي ۽ پنهنوءَ جي شرافت ۽ دولت جي ساراهه ڪئي، پر ڌوپيءَ انڪار ڪيو. ۽ چيائين ته ”هڪڙو ته پنهنون پرديسي آهي، ۽ ٻيو ته اسان جي ذات جو نه آهي.“ پر سڪيءَ کيس پڪ ڏني ته پنهنون پڻ ذات جو گذر آهي ۽ چيائينس ته ”جيڪڏهن ويساهه نه ٿو اچيئي ته کيس آزمائي ڏس.“ ڪٿي اها ڳالهه قبول ڪئي، ۽ پنهنوءَ کي گهرائي، آزمائش وٺڻ لاءِ هن کي چيائين ته ”ڪيپ ڌوئي اچ.“ پنهنوءَ جا نازڪ هٿ

ڦرهي تي ڪپڙا سَتيندي لَهون ٿي ويا. نيٺ ڪپڙن کي چيري ٽاڙي  
 اچي ڪٽيءَ جي گهر نڪتو، ۽ ملولُ ٿي، ڪنڊ ۾ ويهي رهيو.  
 سسئيءَ کيس دلداري ڏيئي چيو ته ”پولو نه آهي. هاڻ ڇا ڪر، جو  
 هر هڪ ڦاٽل ڪپڙي جي تهر ۾ هڪ سوني مهرَ وجهي ڇڏ، ته پوءِ  
 ڪٿان به شڪايتَ ڪانه ايندي.“ پنهنون، ائين ڪري، ڪپڙا  
 مالڪن کي پهچائي آيو، ۽ ڪنهن وٽان به ڌوپيءَ کي ڪابه دانهن  
 ڪانه رسي. هاڻي ڌوپيءَ کي تسلي ٿي، جنهن کيس سسئيءَ جو  
 سڱ ڏيڻ قبوليو.

انهيءَ وچ ۾، هڪ پاڙي ۾ رهندڙ سونارُ جي دل پنهنونءَ تي  
 سرڪي ويئي، جنهن پنهنجي طمع پوري ڪرڻ لاءِ سسئيءَ جي ست  
 جي خلاف وڃي پنهنونءَ جا ڪن پريا. انهن ڏينهن ۾ رواج هوندو هو  
 ته جيڪڏهن ماڻهوءَ تي ٺڪرُ پوندو هو ته هن کي پنهنجي سڄائيءَ  
 ثابت ڪرڻ لاءِ باهه جي مڇ مان لنگهڻو پوندو هو. پنهنونءَ به سسئي  
 کي پاڻ موڪلڻ لاءِ انهيءَ پرڪ مان پار لنگهڻ واسطي اشارو ڪيو.  
 سسئي، جا سون وانگرُ سڄي هئي، سا انهيءَ باهه مان پاڻ اڳي کان  
 به اُجري ٿي نڪتي. آخر وڏي تجمل ۽ طومان سان هن پنهي عاشقن  
 جي شادي ملهائي وئي. پوءِ ڌوپيءَ پنهنونءَ کان جندو پاڙو لکائي ورتو  
 ۽ پنهنون به وطن وڃڻ جو خيال لاهي، ڌوپيءَ جو ڌنڌو ڪندو رهيو.  
 پنهنونءَ جو ڀاءُ، چنرو، جو ساڻس ساٿ ۾ آيو هو، سو سندس  
 انهي روش تي گهڻو ئي پوسريو. پر جڏهن ڏٺائين ته ڪو چارو  
 ڪونهي، تڏهن ساري ماهيت وڃي آريءَ ڄامَ جي پيش ڪيائين.  
 آريءَ ڄامَ جي منهن جو پنوئي لهي ويو، ۽ پنهنون، جو دادلو پٽ  
 هوندو هوس، تنهن جي فراق ۾ بيحال ٿي پيو. پهريائين هڪڙو قاصد  
 روانو ڪيائين، جنهن جي هٿان پنهنونءَ کي چوائي موڪليائين ته

”جيڪڏهن هڪدم اچي حاضر نه ٿيندين ته منهنجو جيئن محال آهي.“ جڏهن قاصد پنيور ۾ پهتو، تڏهن ڇا ڏسي ته پنهنون پرتن سان گڏيو پارچا پيو پڇاڙي. هيءَ روڻداد ڏسي، قاصد جا گج ڳري پيا، ۽ درد سان دانهن ڪري چيائينس ته،

”ايءُ ڪامل ڪم نه سندو، جيئن بهس پڇاڙين پوتين.“

پر پنهنون پوئتي هلڻ کان پڙ ڪڍي بيٺو. قاصد نااميدو ٿي، موٽي وڃي آريءَ ڄام کي سربستو سماچار پهچايو. آري ڄام ٻڌڻ شرط مورچا ٿي ڪري پيو، ۽ روئن ۽ راڙي ڪري اهڙو لاغر ۽ ضعيف ٿي ويو، جو سندس ساهه چٽي وڃڻ جو امڪان هو. پيءُ کي اهڙي جوڪاڻي حال ۾ ڏسي، سندس ٽن پٽن، چنري، هوتيءَ ۽ نوتيءَ کيس آئت ڏيئي چيو ته ”ڪوبه حيلو وسيلو ڪري، ڄاڻ ته پنهنوءَ کي پاڻ وٺي، اچي ٿا توهان وٽ رسائون.“

پوءِ ٽيئي خان انن تي سوار ٿي، سگهوئي اچي پنيور پهتا. سسئيءَ ۽ پنهنوءَ کين گهڻو آڌرڀاءُ ڏنو، ۽ پاڻ وٽ بهمان ڪري، سندن گهڻي خاطرداري ڪيائون، هڪ رات جو گج وڃي وڃي وڃي مجلس ۾ مشغول رهيا. سسئيءَ ويڇاريءَ کي پنهنوءَ جي اوسيڙي ۾ پلنگ تي جاڳندي جاڳندي نند ڪئي ويئي. هوڏانهن وري پائر پنهنوءَ کي غافل ڏسي، ويا کيس شراب جا پٽ پياريندا، تان جو نشي ۾ اهڙو الوٽ ٿي ويو، جو پنهنجي وجود جو ڪو سماءُ ئي نه رهيس. آڏيءَ رات کان پوءِ سندس اٺ گنگائي، کيس بي خبريءَ جي حالت ۾ کڻي، ساڻهن ڏانهن سڻندا ويا.

پوئينءَ رات جو، جان سسئيءَ جي اک کلي، ته ڇا ڏسي ته پنهنون پلنگ تي لهي ٿي ڪونه. حيرت ۾ پئجي. هيڏانهن هوڏانهن دريافت ڪري ڏنائين ته اوطاقون ۽ اوتارا سڀ سڃاڻيا پيا آهن!



معلومُ ڪيائين ته ڏيرَ کيس ويساهي، پنهنوءَ کي زوريءَ ڀڄائي وئي  
 ويا آهن. پوءِ وٺي گهوڙا گهوڙا ڪيائين. جنهن تي ماڻس ۽ پاڙسري  
 اچي مڙيا، جن کيس گهڻي دم دلاسا ڏنا، پر هن ڪنهن جي ڪين  
 مڃي. ويس وڳا ڦٽا ڪري، لاڳاپا ۽ لاڳاپا ڪلهي ۾ ڦاٿل  
 ڪنڊرو وجهي، اڪيليائي اڪيلي، اٺن جو پير ڪڍندي، پنهنوءَ جي  
 پٺيان ڪاهيندي ويئي. چاليهن ڪوهن جي پنڌ بعد اچي پٺ جبل  
 جي ويجهو پهتي. اُڃ ۽ ٿڪ سببان ماندي ٿي ڪري پيئي، ۽  
 چڙهيون هڻڻ لڳي. قدرت خدا جي، جو انهيءَ هنڌان هڪ صاف  
 پاڻيءَ جو چشمون پڙڪو ڏيئي ٿئي نڪتو. ”تحفه الڪرام“ وارو  
 چوي ٿو ته ”مون معتبر ماڻهن کان ٻڌو آهي ته اهو چشمون اڃان تائين  
 جاري آهي. ۽ ڪڏهن به سڪي نه ٿو وڃي، ۽ ٻيو ته مينڊيءَ جي  
 تاري، جا پرڻي رات سسئي، دستور موجب، هٿ ۾ ڪري ستي  
 هڻي ۽ جا سندس هن سفر ۾ همراھ هڻي، سا انهيءَ چشمي جي پَر  
 تي ڪري ٿيبيائين، ۽ اها اڄ به انهيءَ ڦٽيل عاشقيءَ جي نشاني  
 آهي.“ ذرو ساعت وسرام وٺي، ورڇي اڳتي ڪڙي ڪيائين ۽ پٺ جبل  
 وارو مشهور ڪو ”پوٽي ناڪو“ لنگهي اچي هاڙهي جبل جي پاڙ وٽ  
 ڦوڙنديءَ جي پَر ۾ پهتي، پَر پاڻيءَ جي ٿل سببان اڳتي اڀري نه  
 سگهي. نهايت نااميد ٿي، پوئتي هڻي، ۽ ڳچ پنڌ بعد اچي ماباڙ نيءَ  
 ويجهو رسي. هاڻ واهيري جي ويل اچي ٿي هڻي. پٺيان ٻهڙ تي هڪ  
 ايل پسهوار جي جهوپڙي ڏسي، کانئس وڌي پڇيائين ته ”ادا، اٿائس،  
 ڪو ويو ساڻ سڄڻ جو؟“ سسئيءَ جهڙيءَ سهڻيءَ صورت کي هيئن  
 اڪيلو ڏسي، ايل پنهوار جي دل هرڪي ويئي، ۽ ڏانهس ٻڇڙي نظر  
 ڪرڻ لڳو. سسئي پاڻ کي جوکي ۾ ڏسي، پنهنوءَ جي سار ۾ زار  
 زار رڻو. سندس سوز وارين صدائن ڏونگر ڌاري وڌو، پر هن ڪنور

تي ڪوبه اثر نه ٿيو. نيٺ خدا کان سواءِ ٻيو ڪوبه چارو نه ڏسي، ايل پنهور کي پاڻ وٽان ٽارڻ بهاني آري ڪري چيائينس ته ”آءُ تڪل ٿل ۽ اڃايل آهيان، ڀلائي ڪري پهريائين ڪو کير چڪو پيارينم.“ ايل پنهور خوش ٿي، ڏن ڏانهن ڊوڙيو. هن جو پاسي ٿيڻ ۽ سسئيءَ جو رب کي سوال ڪرڻ. ٻئي هٿ ڪڍي، ٻاڏائي چيائين ته ”اي ستار! هن بيوسيئيءَ جو وسيلو ٿي!“. هن اڃا دعا مس پوري ڪئي، ته پهڙ ڦاٽي پيو، جنهن ۾ اندر گهڙي ويئي، پوءِ جبل جبل جهڙو ٿي پيو. پر سسئيءَ جي چڻيءَ جو پاند ٻاهر رهجي ويو. ايل پنهور جڏهن کير ڏهي پوئتي موٽيو، تڏهن هيءُ رنگ ڏسي ٽپرس ۾ پيو ۽ الاهي قدرت جو اهڙو اهڃاڻ پسي توبه تائب ٿيو.

پوءِ انهيءَ هنڌ، هڪ پٿرن جو ميڙ ڪري، قبر جو لوڙهه ٺاهي ڇڏيائين. هوڏانهن رستي تي جڏهن پنهنجو تشي جي خمار مان سجاڳ ٿيو. تڏهن پاڻ کي اُن تي جڪڙيل ڏسي ڏاڍا جڪ ڪاڏائين. پائرن کان پڇي وڃڻ لاءِ گهڻويءَ واجهائين، پر هنن کان پڇي نه سگهيو. نيٺ اُٿي سندس ٻانهن آريءَ ڄام جي حوالي ڪيائون. پر پنهنجو، سسئيءَ جي وچوڙي ۾ اهڙو ڳرندو سڙندو ويو، جو پٽس کي سندس مرڻ جو خوف ٿي پيو. لاچار پنهنجو ڪي رخصت ڏنائين ته ”پنيور موٽي، سسئي کي به ساڻ وٺي اچي آستاني ٿي.“ پوءِ هيءُ يارُ به سٽيندو پنيور ڏانهن راهي ٿيو. جڏهن سسئيءَ جي قبر وٽان لانگهائو ٿيو، تڏهن سندس روح کي هڪ ازغيبي اڏمو آيو. ههڙي رڻ پٽ ۾ تازي لوڙهه مان چڻيءَ پاند ٻاهر نڪتل ڏسي، دل ۾ سنسو پيدا ٿيس ته نه ڄاڻان هيءَ سسئيءَ جي قبر آهي! اتفاقاً اهو ايل پنهور به اُتي اچي سهڙيو، جنهن سچي ماجرا کيس بيان ڪري سڻائي. ٻڌندي شرط اُن تان ٿيو ڏيئي لهي پيو ۽ پائرن کي چيائين ته ”ڏرو

ویرمَ ترسو ته هن قبرَ جي زیارتَ ڪري وٺان“. پوءِ قبر جي ڀر ۾  
 ويهي زارِ زارِ رنائين ۽ خدا جي درِ وينتي کيائين ته ”اي وڇڙيلن کي  
 ملائيندڙ سچا ڌڻي! مون کي پنهنجي محبوبَ سان هيڪاندو ڪر!“  
 سندس عرض اگهاڻو، وري به جبل ڦاٽي پيو ۽ پنهنون وڃي پنهنجي  
 پرينءَ کي هميشه لاءِ مليو.

## سورٽ راءِ ڏياڇ

ڪنهن زماني ۾ راءِ ڏياڇ نالي هڪڙو راجا جُهونا ڳڙهه تي راج ڪندو هو. کيس هڪ پيٽ هئي، جا اولاد لاءِ ڏاڍي سڪايل هئي. هڪڙي ڏينهن هڪ فقير کي وڃي ستائين ته ”سائين! ڏيئيءَ کان دعا گهرو ته مون کي ڪو خير جو ٻچو ملي. فقير دعا ڪري چيس ته ”مائي! پٽڙو سو ملندڙ، مگر اهو راءِ ڏياڇ جي سسي ڌڙ کان ڌار ڪندو.“ هي لفظ ٻڌي راجڪماريءَ کان رڙ نڪري ويئي، ۽ چيائين ته ”سائين اهڙو پٽ ئي گهوريو، جو پاڻم جو سرُ وڍي.“ پر فقير جو ڪلامُ ڪيئن ٿري! پوري نوين مهيني راجڪماريءَ کي هڪ پٽ ڄائو. فقير جا سخن ياد ڪري، ٻالڪَ کي صندوق ۾ وجهي، کڻي درياءَ ۾ ڦٽوڪيائين. صندوق لڙهندي لڙهندي وڃي راجا آنيراءِ جي ملڪَ مان نڪتي. هڪ چارڻ ۽ سندس زال، جي درياءَ تي پاڻي ڀرڻ لاءِ آيا هئا، تن جي نظر وڃي اُن تي پيئي. صندوق کي پاڻيءَ مان ٻاهر ڪڍي جان کڻي کولين ته ڏسن ته منجهس هڪ ٻاروتن ۾ تنجیلُ ٻارُ پيل آهي! پوءِ ته ان کي ڪڍي ڪري پنهنجي ڳل لاتائون ۽ گهر وٺي وڃي نڀايائونس. مٿس نالو رکيائون ”بيجلُ“. نينگر اڄُ ننڍو سپان وڌو، تان جو اچي سامڻو. هاڻي هرروز مائتن جا گڏهه ۽ گهوڙا وٺي جهنگ ۾ چارڻ ويندو هو.

انهيءَ جهنگ ۾ هڪ ڏينهن ڪنهن رمتي، هرڻ جو شڪارُ ڪري، ان جو گوشت کائي باقي آندا کڻي ڪرڙن تي ڦٽا ڪيا هئا. جڏهن جڏهن ڏکڻ جو واءُ لڳندو هو تڏهن تڏهن اُنهن آندڻ مان اهڙو ته من موهندڙ آواز نڪرندو هو، جو پکي پکڻ ۽ ٻيا حيوان جنتر ڪندا

نمائي، اچي ٻڌڻ بيهندا هئا. هڪ ڏينهن اهو اواز وڃي ٻيجل جي ڪن پيو. ۽ دليل ڊوڙائي، نيٺ سڀي ڪيائين ته اهو اُچرُجُ انهن آندن ۾ سمايل آهي. پوءِ ته آندا ڪٿي پنهنجي چنگ تي چاڙهيائين ۽ گزُ ڪڍي ويٺو کين وڃائڻ، ايان چنگُ چورايائين ڪين ته مرن ۽ پڪين جا ميڙ اچي مٽا. انهن مان ٻه چار هرڻ جهلي، مائٽن وٽ وٺي آيو. هاڻ روز اهڙيءَ ريت شڪار ڪري پيو پنهنجو ۽ مائٽن جو پيٽ پاليندو هو. سندس سُرندي جي هاڪ هرجاءِ پڪڙجي ويئي.

جنهن وقت ٻيجل ڄائو هو، تنهن وقت راجا انيراءِ کي پڻ هڪ ڌيءَ ڄائي هئي. کيس ست ڌيئون اڳيئي هيون، سو ڪڪڙي، هن ڌيءَ کي صندوقَ ۾ بند ڪري، ڪٿي درياءَ ۾ داخل ڪرايائين. صندوقَ وڃي راءِ ڌياڇ جي سرحد مان نڪتي، جتي رتني نالي هڪ ڪنير کي هٿ اچي ويئي، ڪنيرُ، جو اولاد لاءِ سڪايل هو، تنهن کي ههڙو ملوڪُ ٻارُ ڏسي ڏاڍي خوشي ٿي، سو گهر ڪٿي وڃي چوڄ مان پاليائينس ۽ نالو رکيائينس سورڻ. جيتوڻيڪ رتنو راءِ ڌياڇ جي ملڪَ ۾ رهندو هو، ته به راجا انيراءِ سان ڏاڍو رستو هوندو هوس. جڏهن سورڻ ساماڻي تڏهن انيراءِ کي سندس حسنَ جي خبر پئجي ويئي، سو رتني کان ان جي سڱ جي گهر ڪيائين، جا هن خوشيءَ سان قبول ڪئي. جڏهن شاديءَ جو ڏينهن اچي ويجهو ٿيو، تڏهن رتنو هڪ وڏي جڇ سنيرائي، ڌام ڌوم سان اُتي شهر مان نڪتو. راءِ ڌياڇ، جو اُن وقت پنهنجي محلات جي دريءَ وٽ بيٺو هو، تنهن جي نظرَ وڃي جڇ تي پئي. پڇا تي معلوم ٿيس ته رتنو پنهنجي ڌيءَ وٺي انيراءِ سان پرڻائڻ ٿو وڃي. اها خبر ٻڌي ڏاڍا خارَ لڳس، سو پنهنجن ماڻهن کي حڪم ڪيائين ته ”رتني کي ڪنڀي ڌيءَ سميت وٺي اچو.“ جڏهن انهن کي اُتي حاضر ڪيائون، تڏهن راءِ

ڏياڇ رتي کي چيو ته ”ڪميٽا! مون کي ڇڏي، پنهنجي ڌيءَ وڃي  
 ٿو ڌارين کي پرڻائين! هاڻي توکي به جواب ته انيراءِ کي به جواب.“  
 ائين چئي سورڻ کي وٺي وڃي حويليءَ ۾ ويهاريائين.

جڏهن انيراءِ کي هن حادثي جي خبر پيئي، تڏهن ٽپي باهه ٿي  
 ويو ۽ وڏو لشڪر وٺي اچي جهوناڳڙهه تي گهيرو ڪيائين. ٻارهن  
 مهينا جند پتن سان هڻي بيٺو، پر ڊال نه ڳريس. آخر شهه ڪائي موٽي  
 وطن وريو. پوءِ رتن ٽڪن جو ٿالھ پري، ساري ملڪ ۾ ڦيرايائين ته  
 ”جيڪو راءِ ڏياڇ جو سرُ وڌي ايندو، تنهن کي نه فقط هيءُ ٿالھ  
 ملندو پر پيو به جيڪي گهرندو، سو ملندس. بيجل جي زال ٿالھ  
 وٺي رکيو ۽ ٻول ڪيائين ته ”منهنجو مڙس پاڻيھي راجا جي منشا  
 پوري ڪندو!“

جڏهن بيجل گهر آيو ۽ ساري قصي جي سڌ پيس، تڏهن ڏاڍي  
 ڪاوڙ لڳيس، سو زال کي جهٽڪي چيائين ته ”مصيبت پويئي، هيءُ  
 توڇا ڪيو؟ هاڻ جي وڃن ۾ ولها ٿا پئئون، ته راجا اسان جو جن پڇو  
 پيڙائي ڇڏيندو!“ ٻيو ڪو چارو نه ڏسي، بيجل پنهنجو سُرندو  
 سينگاري، اتي جهوناڳڙهه ڏي راهي ٿيو. ٻه ٽي منزلون هڻي، نيٺ  
 هڪ ڏينهن نما شام جو اچي قلعي وٽ پهتو. پوءِ ته چنگ ڪڍي،  
 ويٺو وڄائڻ، ۽ ساري رات تندن تٽاريندو رهيو. سندس ساز جي  
 آواز سڀني کي گهاٽي وڌو. راءِ ڏياڇ، جو پنهنجي رنگ محل ۾ ويٺو  
 هو، تنهن جي روح به ريلو ڏنو، سو ڪوٽ جي دريءَ کان بيجل کي  
 پڪاري چيائين ته ”مگڻهار! گهر، جيڪي گهرڻو هجيئي.“ بيجل  
 ورائيو ته ”راجا مون کي توسان هڪ ڳجهه ڳرھڻو آهي. اجازت ملي  
 ته مٿي اچي اوريان.“ تنهن تي راءِ ڏياڇ پنهنجي ماڻهن کي حڪم ڏنو  
 ته ”چارڻ کي چوڏول ۾ چاڙهي مٿي وٺي اچو!“ هاڻ راءِ ڏياڇ ۽  
 مگڻي جي وچ ۾ ڪوبه وسيلو ڪونه رهيو، ٻئي خلوت ۾ ٿي ويند.

بيجل نڪي ڪڇيو نڪي پڇيو، سرنڊو ڪڍي وري به ويهي وڃائڻ لڳو. راءِ ڏياچ جو من اهڙو ته موهي وڌائين، جو کيس طرحين طرحين جا انعام آڇڻ لڳو. پر بيجل هٿ جوڙي عرض ڪيو ته ”راجا مون وٽ مال متاعَ جي ڪمي ڪانهي. تنهنجي سخاوتَ جي ساراهه ٻڌي، تو وٽ وڏي آس رکي آيو آهيان. اهو سرُ، جو منهنجي سرير جو سينگار آهي، تنهن جوئي سيڪڙو ٿي آيو آهيان. اميد اٿم ته نانهن نه ڪندين.“ راءِ ڏياچ کي اهڙيءَ اڍنگيءَ مڱ تي نهايت اچرج لڳو، سو چيائين ته ”اي چارڻ! منهنجي مٿي مان توکي ڇا هٿ ايندو؟ انهيءَ ڳالهه تان لهي وڃ. ڏس ته آءُ توکي ڪهڙا نه ڏهرا دانَ ٿو ڏيان، ساري عمر پنيو کائين ته به ڪٿڻ جا نه آهن.“ بيجل سان جيڪي مٿا هڻا هئس، سي هنياڻين، پر هو نه مڙيو. آخر ٻيو ڪو حيلو نه ڏسي پنهنجي هٿ سان سرُ وڌي چارڻ کي اڇلائي ڏنائين. چارڻ مٿو کڻي رمندو رهيو.

هن حادثي جي خبر هنڌين ماڳين هلي ويئي ۽ بيجل جي اچڻ کان اڳ انيراءِ جي ڪن وڃي پيئي. جڏهن بيجل سرُ کڻي انيراءِ جي ڪچهريءَ ۾ آيو، تڏهن انيراءِ پويان ئي ڏهڙ ڏيئي چيس ته ”ڪميٽا! جوني وڃان ههڙي سخا جي صاحب مان به نه ڪٿين، سو اسان سان الائجي ڪهڙا ڪلور ڪندين. اڄ کان وٺي تون اسان جي ملڪ ۾ رهڻ جي لائق نه آهين. هاڻي هڪدم هليو وڃ. خبردار! جي منهنجي ملڪ ۾ وري پير پاتو اٿئي.“ بيجل جا چهره ٿي چڄي ويا، ۽ پڻ ووينڪ جا وڏ پوڻ لڳس. پوءِ ته متوالن وانگر جهوناڳڙهه ڏي ڊوڙندو ويو. جڏهن شهر جي ويجهو اچي پهتو، تڏهن ڏسي ته باهه جا مڇ پيا ٻرن ۽ سورٺ ڏاڳهه چڙهي، ستي ٿي رهي آهي. پاڻ به ڏوڪيندو مڇ ۾ ڪاهي پيو ۽ جلي پسمڙ ٿي ويو.

## ليلا چنيسر<sup>۲</sup>

راڻو ڪنگهار، ڌت ڌڻي، هڪ نهايت حشمت ۽ دبدبي وارو حاڪم ٿي گذريو آهي. اُن کي ڪَؤنروءَ نالي هڪ نياڻي هئي، جنهن جي هنڌ هنڌ هاڪ هئي، ۽ اُن زماني ۾ سونهن ڪري سندس ڪو ٿاڻي نه هو. سندس مڱڻو سَوَٽسِ آتماديءَ سان ٿيل هو.

ساڳئي زماني ۾ سومري گهراڻي جي داسٽرو شاخ مان هڪ راجا، چنيسر نالي، ديول ڪوٽ تي راج ڪندو هو. حسن ۽ دولت، شان ۽ شوڪت ۾ بينظير هو. انهن اوصافن ڪري سڀڪا سهڻي سندس سهاڳ جي طمعدار رهندي هئي. هڪڙي ڏينهن ڪَؤنروءَ کي سندس سهيليءَ جَمَنيءَ چٽڙ ڪري چيو ته ”تُون جو هيترو هارُ سينگارُ پيئي ڪرين سو پاڻءِ ته چنيسر سان چاهه رکيو اٿيئي؟“. هن طعني ڪَؤنروءَ کي بيحال ڪري ڇڏيو، ۽ اڻ ڏٺو چنيسر تي چري ٿي پيئي.

ان ماجرا جي جڏهن ماڻس مُرڪيءَ کي ڪل پيئي، تڏهن سڌو وڃي، پنهنجي پٽار راڻي ڪنگهار کي خبر ڪيائين. چنيسر سان سڱ ڪرڻ هڪ فخر جهڙي ڳالهه هئي، سو راڻي کي هيءَ ڳالهه ٻڌي گهڻي خوشي ٿي. پر دل ۾ سمجهيائين ته جيڪڏهن تُو ظاهرُ ظُهورُ سڱ چڪايان، ۽ چنيسر تُو انڪار ڪري، ته مفت ڳالهه پڪڙندي ۽ بدنامي ٿيندي. سو پاڻ ۾ ٻيهر پڇايائون ته چنيسر کي ڪنهن حيلي بهاني هٿ ڪجي. نيٺ ان ٺهراءَ تي بيٺا ته ڪَؤنرو ۽ ماڻس وٽجارڪو ويس ڪري، چنيسر جي ديس وڃي هن کي ريجھائڻ جون رَمَزُون رَجَب. ستت ئي مال اسبابُ ميڙي، وهٽ پلائي، وطن واري، پرڻت



نڊي پار پئي، اچي ديول ڪوٽ ۾ ديرو دمايائون. سانگي سان هڪ گلن واريءَ جو ساڻن سُبُنڌُ ٿي پيو. هڪ ڏينهن اُن سان اندر جو احوالُ اوريندي معلوم ٿين ته سندن مقصد چنيسر جي وزير جکري هٿان پورو ٿيندو. اُتي ٿيئي گڏجي، جکري جي جاءِ ڏي روانيون ٿيون. اُتي پهچڻ شرط، ڪوٺروءَ ڪيس پنهنجي درءَ جو داستان سڻايو، ۽ پيرن تي ڪري نيزاري ڪيائينس ته ”ڪنهن به ريت اُتي منهنجي واهر ڪر!“ وزير جي دل ڀني، سو ڊڙ دلا سو ڏيئي، چيائينس ته ”سائينءَ تي رڪ، مڙئي سڻائي ٿي پوندي. باڪ ڦٽڻ بعد آءٌ چنيسر وٽ چڙهي ويندس، اميد اٿم ته توکي پاڻ وٽ آڻائيندو.“ ايئن چئي ٽنهي کي رخصت ڏنائين.

صبح ساڻ جکرو سنڀري، شاهي محلات ڏي راهي ٿيو. وڃه وئي، چنيسر سان ڪوٺروءَ جي محبت جو ذڪر چوريائين، ۽ سندس سونهن سوڀا جو اهڙو چڱو نقش ڪڍيائين، جو چنيسر جو هنيو البت هر ڪجي ويو. پر پنهنجي پٽ راڻيءَ لڀلا جو لحاظ ڪري، جکري کي جواب ڏنائين ته ”لڀلا وٺي، ٻيءَ ڪنهن ڌاريءَ زال سان ناتو رکڻ نامناسب آهي، بهتر آهي ته ڪوٺروءَ کي رهي رهي وطن ڏانهن وارينس.“ جکري ڪوٺروءَ جي پاران وري به ازحد آزي نيازي ڪئي، ۽ اکين ۾ آب اُٿي، عرض ڪيائين ته ”ڪوٺروءَ تي ڪا ڪهل ڪريو!“ پر چنيسر پنهنجي قول تان باز نه آيو. جڏهن جکري هيءُ نااميديءَ جو نياپو ڪوٺروءَ ۽ ماڻس کي اُٿي رسايو، تڏهن ٻنهي جا چهره چڱي پيا، ۽ اکين اڳيان آنديون اچي ويُن. آخر پيو ڪو اُڀاءُ نه ڏسي، رت رٿيائون ته ”مال اسباب وڪڻي، ويس مٽائي، وڃي لڀلا وٽ پورهيتون ٿي بيهون، ته من ڪنهن موقعي تي، چنيسر کي تجويز ڪري، ليلان تان چٽ ڪڍائي، پنهنجي پکنه آڻيون.“ اها ڳالهه ڳڻي

غريبائو لباس پھري، ليلا وٽ لنگهي ويون، ۽ ليلائي چيائونس ته ”سائٺ! زماني جي ڏولائڻ اسان کي هٿ رولي ٿولي آندو آهي، پئسو پنڄڙجو ساڻ هئوسين، سو پنو ڏيئي ويو آهي. ڏٺي توکي پنهنجيءَ باجهه سان وڌيري ڪيو آهي، جي هيئن تي هٿ رکيئي، ته هرج ڪونهي. ٻئي هٿ جون سڃيئون آهيون، امان اٿڻ جي فن ۾ استاد آهي ۽ آءٌ وري گهرو ڪم ڪار ۾ ڪڙي ٿڙي آهيان.“ ليلا کي سندن بيحاليءَ تي قياس آيو. پنهني کي هڪدم پنهنجون خاص ٻانهيون ڪري رکيائين. ڪوٺروءَ تي چنيسر جي سيج وڄائڻ جو ڪم ڌريائين. ۽ ماٿس مڙڪيءَ کي چنيسر جي پڳ اٿڻ جو امر ڪيائين.

وقت ويو گذرندو، مگر چنيسر سان وصال جو ڪوبه امڪان نظر نه آيو. هڪ رات نراسائيءَ وچان ڪوٺروءَ جي اکين مان اوچتا لڙڪ وهڻ لڳا. ليلا هي رنگ ڏسي کانئس روئڻ جو سبب پڇيو. ڪوٺروءَ وراڻي ڏني ته ”سائٺ روئان ڪانه ٿي، وٽ سوريندي، تيل هائو هٿ اکين کي لڳي ويم، جنهن ڪري اکين ۾ پاڻي اچي ويم.“ ليلا کي هن ڳالهه تي ويساهه نه آيو. ورجائي پڇيائينس آخر سچي ڪرڻي پيس، چيائين ته ”ڪو ڏينهن هو، جو آءٌ به تو وانگي هندورن وچ ۾ هوندي هيس. رات جو منهنجي ٽو لڪي هار وارا موتي ۽ هيرا رات جي چراغن جيان جرڪندا هئا. اهي سکر ڏينهن ساريندي نيڻ ڀرجي آيم.“ ڪوٺروءَ جي ڪهاڻي ليلا کي دل سان نه لڳي. ٻاٻي گهريائينس. ڪوٺرو سٺ ڏيئي پنهنجو ٽو لڪو هار ڊيلي مان گڏي آئي، ان جي جهليڪي سان سارو محلات ٻه ٻه ڪرڻ لڳو. ليلا جا سڀاءُ جي چلولي هئي، ۽ مٿين سان محبت رکندي هئي. سا هار پسي، هرڪجي ويئي، ڪوٺروءَ کي هڪل ڪري چيائين ته ”گهر

جيڪي گهرڻو هجيئي، رڳو اهو هار مون کي ڏي. ”ڪوٺروءَ ورندي ڏني ته ”مون وٽ مالَ متاعَ جي ڪمي ڪانهي، فقط چنيسر سان هڪ رات رهائ ڪرڻ ڏينم ته هار مٿانءِ گهوري ڇڏيان.“ ليلا، جنهن جا حوصلا هار جي هوسَ خطا ڪري وڌا هئا، تنهن هيءُ شرط هڪدم قبوليو، ۽ چيائينس ته ”هاڻي وڃي دلچاءُ ڪري ويهه، رات جو آءٌ پاڻي چنيسر کي آڻي، تنهنجي ڪمري ۾ پهچائي وينديس.“

قضاني، انهيءَ رات چنيسر درٻارين ۽ دوستن سان محفل ڪندي، نشي ۾ الوت ٿي ويو. تڏهن ليلا کيس خماريل ڏسي، خوش ٿي، پانيائين ته هاڻ چنيسر کي جئن چونديس تئن ڪندو. گرائڙي پائي، ليليائينس ته ”ويچاري ڪوٺرو تو لاءِ نالان آهي، آڄ رات وڃي اڪير لاهينس.“ اگرچہ چنيسر پوري هوش ۾ نه هو، تڏهن به اهڙيءَ آڇ تي غيرت آيس، ۽ صفا نابري واري، وڻڻ لڳو. پر ليلا ڪن لاتار ڪري، کيس هٿ کان وٺي، ڪوٺروءَ جي ڪمري ڏانهن ڪاهي ويئي. ڪوٺرو، جنهن جي انتظار ۾ تارا تڪيندي رات وهامي ويئي هئي، سا چنيسر کي چترائي اندر وٺي ويئي. ٻانڀڻ به ڪو هڪيو تڪيو وينو هو، جنهن ٺهه ٻه ويڏي پڙهي، سندس ميڙائي جو موڪ ڪيو. پر چنيسر، جو سرت ۾ نه هئو، سو ڪيو ٿي پلنگ تي پئجي رهيو. ڪوٺرو کيس سجاڳ ڪرڻ لاءِ گهڻائي مٿا مونا هنيا، پر ڪين وريو. مٿان اچي پره ڦٽي ۽ پيچ پني.

چنيسر جان اک پٽي، ته ڏسي ته ڪوٺروءَ جي ڀر ۾ ستو پيو آهيان. پاڻ کي اهڙيءَ ان سهائينديءَ حالت ۾ ڏسي، ڏاڍي بچان لڳيس. بستري تان لهي، ڪمرو ڇڏي وڃڻ تي هو، ته مُرڪيءَ هڪل ڪري چيس ته ”سائين! پنهنجي لائڻن لڏيءَ کي ڇڏي ڪاڏي ٿا وڃو؟ ليلا ته رات اوهان کي هار تي وڪڻي ڦٽو ڪيو!“

پوءِ مُرڪيءَ سارو سماچار ڪري ٻڌايس. ٻڌڻ شرط، ليلا دل تان ڪري پيس. ڪوٺڙوءَ جو اهڙو قربُ ڏسي، مٿس موهتُ ٿي پيو. هن رُونڊاد جي خبر جڏهن ليلا کي پيئي، تڏهن گهڻيئي ڪارون وس ڪيائين، پر چنيسر کي نه آڙيا. آخر آسرو پلي، ڏهاڳ جو ڏنءُ برسر ڪري، مائٽائي ملڪ رواني ٿي. اندر ۾ اهاڻي آس هيس ته ڪنهن ڏينهن مڙيوئي چنيسر سندس مڊايون مڙي، کيس پناهه جو پاندُ ڏيئي، وري به مٿس مهر جو هٿ ڌريندو، پر ورهين جا ورهيه گذري ويا، چنيسر جي ورڻ جو پروئي نه پيو.

سانگي سان، جڪري وزير جو مڱڻو ليلا جي مائتن مان ٿيل هو، جڏهن انهن کي ليلا جي ڏهاڳ جي پروڙ پيئي، تڏهن سڱ ڏيڻ کان صفا انڪار ڪيائون. جڪرو، جو محبت جي ڪڙيءَ ۾ قابو هو، تنهن وڏا وس ڪيا، پر مڱ جا مائت پڙ ڪڍي بيٺا. لاچار جڪرو ليلا وٽ لنگهي ويو، ۽ وڃي ستايائينس، ليلا کي هن جي حال تي رحم آيو. چيائينس ته ”جيڪڏهن چنيسر کي مون وٽ هڪوار آڻيندين، ته ٻانهن مون کان لهڻين.“ جڪرو هيءُ شرط قبولي ديول ڪوٽ موٽيو. چنيسر کي هٿ ادب جا ٻڌي، عرض ڪيائين ته ”جئن وڻيو، تئن قدم رنج فرمائي، مون مسڪين جي شاديءَ ۾ شريڪ ٿي پنهنجو پاڻ ڀلايو.“ چنيسر سندس عرض اُونايو، ۽ ساڻ سان سنڀري، ليلا جي ساٿيءَ ڏي روانو ٿيو. جڏهن جڳ اچي شهر کي اوڏي پهتي، تڏهن ليلا ۽ سندس سهيليون اڪڙيون ڪڍي، راڻي جي آجيان لاءِ ناچ ۽ گانو ڪنديون اڳتي وڌيون. ليلا جو ناز ۽ نخرو ڏسي چنيسر کيس سڃاڻڻ پٺيان مٿس موهت ٿي پيو. چيائينس ته ”اي نازين! گهونگهٽ ڪولي، منهن ته ڏيکار، پڪ اٿم ته جهڙو آواز منو اٿيئي، تنهن کان وڌيڪ منهن منو هوندءِ!“ ليلا اڪڙي لاهي،

چنيسر اڳيان نروارُ ٿي بيٺي. هيءُ اوچتو لقاءَ چنيسر سڀي ڪين  
 سگهيو. اگرچہ ظاهري طورَ، ليلا سان لاڳاپا لاهي ڇڏيا هئائين،  
 تڏهن به هُنَ جي لَنَءَ جي لغارَ سندسِ دلِ ۾ هميشه لڳل هوندي  
 هئي. هاڻي سندس رُوحَ اهڙو ريلو ڏنو، جو اُتي جو اُتي پُران  
 ڇڏيائين. ليلا پڻ هيءُ حالَ ڏسي، مورچا ٿي ڪري پيئي ۽ مري  
 محبوبَ سان ميلو ڪيائين.

## نوري

سمي گهراڻي جي هاڪاري حاڪم ڄام تماچيءَ جي ڏينهن ۾  
ڪينجهر ڏنڍ تي ڪي مهاڻا رهندا هئا. ڪين ڪي هئون آڏيل  
جايون ۽ ڪي ڪي هئا مال آسباب. اٺن ويهن، کائڻ پيئڻ، سڀ  
هوندو هون پيڙين تي. مرد ماڻهو مڌ مڪڙا موڙي يا پانڌين تي ويهي،  
مڇيون ماري، رچن جا رچ ڪلهن تي ڍوئي، آڻي مياڻين تي ڍير ڪندا  
هئا. مهاڻيون وري مڇين کي ڪاريءَ ۾ کڻي، واٽن تي وڃي وهنديون  
هيون، جتي انهن کي چيري، پيرا پيرا ڪري، گراهڪن کي  
وڪڻنديون هيون. سندن ٻار ننڍڙا ٿيو، سارو ڏينهن لڏڻ وانگر  
پاڻيءَ ۾ تڙڪندا هئا. ڀلا جن جو رات ڏينهن وهنوار ئي ڪيئن سان،  
تن وٽ اچائي اجرائي ڪٿان آئي؟ اٽلو وٽن گند جا گدام لڳا پيا  
هوندا هئا. ڪير جو سندن پير ۾ بيهي سگهي؟ قضاني ڪنهن  
ڪمبخت جو پاند سندن پاند سان لڳي ويو ته گگر گگر پندا اڙيا،  
بدبوءِ ٻنهن نه لهي. جهڙا هڻن جسم گدلا تهڙا هڻن هڏ هڻا. مهانڊن  
۾ اهڙا ڪارا ۽ ڪوجها هئا، جو ڏني ڪرهن وٺيو وڃي. مگر وٽن  
هڪ نينگر هئي، جنهن جي سونهن جي ڪهڙي ساراهه ڪجي!  
شڪل شبيهه توڙي هلٽ هلٽ ۾ مهاڻي مور نه هئي، ويتر انهيءَ  
ڪن جي ڪن ۾ آمل ماڻگ هئي. مٿهن مان اهڙو نوراني حسن پيو  
بڪندو هوس، جو کيس سڏيندا ئي ”نوري“ هئا. ڄام تماچي شل  
شڪار جو نهايت شوقين هوندو هو. هڪ لڱا جيئن پيڙيءَ ۾  
چڙهي، ڪينجهر ڏنڍ جو سير پئي ڪيائين، تيئن اوچتو سندس نظر  
وڃي نوريءَ تي پئي. نوريءَ جي نيٺن ۾ اهڙو ته ڪو ڪامن هو،

جو کيس ڏسندي ئي ڄام موريا ٿي ويو. جڏهن موٽي محلات ۾ آيو، تڏهن هن کان ڪي به نه ٿي اجهيو، ٿوريءَ جي ناز اهڙو ته سجهائي وڌو هوس، جو ان کان سواءِ ڪن به آرام نه ٿي آيس. آخر ذات پات جا وهم ڦٽا ڪري، ٿوريءَ جي مائتن کي سڏائي، کائڻ سندس سگ گهريائين. مهاڻن جي ته الله ٻڌي، سو وڏيءَ خوشيءَ سان قبول ڪيائون. پوءِ ته شادمانا ٿي ويا. خزانن جا دروازا کلي ويا. سون ۽ رُبي جون رانديون لڳي ويئون. هزارن جا هيرا ۽ لکن جون لعلون لٽجي ويئون. مهاڻن جو به بخت وري ويو. ڀلڻ ۽ محصول مڙهي معاف ٿي وين ۽ ساري ڪينجهر ڍنڍ مٿن امڌاڌ ٿي ويئي. آخر ڄام ٿوريءَ جي ٻانهن ۾ پيڙو ٻڌي، اٿي کيس راڻين ۾ راڻي ڪيو. محلات ۾ ساڻس ڏاڍا سهج ڪندو هو. ڪڏهن ڪڏهن ته محبت ۾ اهڙو مست ٿي ويندو هو، جو مورچل ڪٿي پيهي مٿائڻس هڻندو هو. وقتي ته کيس ساڻ ڪري، ڪينجهر ۾ مڇيءَ جو شڪار پيو ڪندو هو. ٿوريءَ کي ايڏي اوج تي ڏسي، وٽس سوين سلامي ٿي ايندا هئا. خو سميون، جي من ۾ پيئون ڇهنديون هيون، تن کي به سندس اڳيان نيچ نواڻو پوندو هو. پر اهڙي سهاڳ هوندي به ٿوريءَ جو من نه وڌيو. جي ناز هوس ته نياز جي به منجهس ڪمي ڪانه هئي. گيرب ۽ گاءِ جي ته ٻوڙ به ڪانه هيس. ڄام کي هيمشه ائين پيئي چوندي هئي ته ”آءٌ عين پري مسڪين مهاڻي آهيان، پنهنجا وڙ ڪري مون نيچ کي نوازڻو اٿيئي. شال ڏئي ڪندو، جو تنهنجو نينهن نت نيٺ ٿيندم!“

چون ٿا ته هڪ ڀيري ڄام تماچيءَ جي دل ٿي ته ٿوريءَ جي نياز ۽ نثرت جي پرڪ لھان، سو حويليءَ تي چواڻي موڪليائين ته ”اڄ شام جو سڀيئي سهي سنڀري ويهجو، پوءِ آءٌ اوهان مان جنهن

ڪي ڇٽ چاهيم تنهن ڪي پاڻ سان گڏ گاڏيءَ ڇاڙهي گهمائڻ وٺي  
 هلندس. ”هيءُ نياپو سٺي، سميون سيندِ سرما ڪري، پاڻ ڪي  
 سينگاري وٺيون، ۽ هر هڪ ائين پئي سمجهيو ته ڄام مون ڪي  
 نوازيندو. نوريءَ نڪو ڪيو هو هار، نڪو سينگار، اُٿلو پنهنجو اباڻو  
 وڳو اوڍي، نمائي ٿي ويهي رهي هئي. ڄام مقرر ڪيل وقت تي  
 حويليءَ اندر گهڙي آيو. سميون اوچا ڳاٽ ڪري، سندس آجيان لاءِ  
 اڳتي وڌيون ۽ ناز نخرا ڪري کيس ريجھائڻ لڳيون، پر وريو ئي  
 ڪين. نوري ته ڪنڌ هيٺ ڪري، نهٺائيءَ سان پئي نهاريو. ڏسڻ  
 شرط ڄام وڌي وٽس ويو، ۽ ٻانهن کان وٺي وڃي گاڏيءَ ۾  
 ڇاڙهيائينس. رات جو جڏهن گهمي ڦري گهر موٽيا، تڏهن سڀني  
 راڻين جي روبرو کيس پنهنجي پٽ راڻي پٽرو ڪيائين.

پنهنجو بُڻُ ياد ڪري، نوريءَ کي هميشه اڏڪو رهندو هو ته  
 ”مٿان ڄام تماچي ڪنهن ويرمون تان ڇٽ ڪئي، وري وڃي سمين  
 راڻين سان چاهه رکي!“ انهيءَ ڪري پنهنجي سهاڳ تي باور ڀڻه نه  
 ڪندي هئي ۽ سدائين نمائي ٿي، ڄام کي پئي ٻاڏائيندي هئي.  
 اهڙيءَ ريت، انسان کي به، پوءِ پل ته هو خدا جو ڪهڙو به لاڏلو  
 هجي، هر دم اُڙي نياڙي ڪرڻ جڳائي.



## سنڌو

مان اُنهيءَ عظيمُ ماءُ، مانسُرور ڏيند، جي ڄائي آهيان، جيڪا  
 لافاني هماليي جي عظيم پهاڙن ۽ انهن جي آسماني چوٽين جي وچ  
 ۾، آڌ کان وٺي، هڪ بي انت سوچ ۽ ويچار جي دنيا ۾ گم رهندي  
 پئي آئي آهي. اُهي شاهڻا پهاڙ منهنجي اُن مانائتيءَ ۽ مائيئيءَ ماءُ جي  
 حفاظت ڪن ٿا، جتي هر شيءِ خاموش آهي، جتي ڪنهن به قسم  
 جي ڪا پُٺڪ ڪانهي، جتي حسن ۽ حيرت، اثر ۽ طاقت، پوترتا ۽  
 پاڪيزگيءَ جي هڪ گنيپر، دل ڌاريندڙ، پيانڪ دنيا آهي، قدرت  
 جي هڪ لاجواب ۽ لازوال چترڪاري آهي! اُن جي ٿوراني نرملتا  
 ايڏي ته آب تاب ۽ اثر واري آهي، جو خود مان، سنڌو، پڻ اتان  
 ڪسڪي وڃان ٿي ته متان قدرت جي هن بيچون ۽ بيمثال نظاري جي  
 بي عيب جُزٽ ۽ بناوت کي ڦٽائي نه وجهان! پوءِ مان زندگيءَ جي  
 رُوح کي پنهنجي ساهه سان سانڍيندي، رستي جي هيٺانهين مٿانهين،  
 جبلن ۽ ٽڪرن، چُرڻ ۽ غارن مان ڇلانگ هڻندي، وڏيون وڏيون  
 ٻرلڳهون پريندي، ٽپندي ۽ ڪڏندي، ڪري ٻاهر ميدانن تي نروار  
 ٿي ٿيان! برف جي چپن ۽ پهاڙن، جهنگل جهرن، ٻيلن ۽ چراگاهن،  
 وٿراهن ۽ وٿڪارن جي وسيع ميدانن ۽ پٽن مان، اُس ۽ چانو مان،  
 ڪڏهن تيز ۽ تڪڙي، ڪڏهن مائيئي ۽ آهستي، چپن کي ڀڄندي،  
 پٿرن کي لوڙهيندي، ٻاهيندي، ٺاهيندي نيسٽ ۽ نابود ڪندي  
 وري جياريندي، لهزين پويان لهريون هڻندي، پڪڙجي ۽ ملڪن کي  
 پائيندي، موجون ماريوندي، وڌندي وهندي. وڃان ٿي! مان آهيان  
 ”سنڌو“ جيون جي نشاني ۽ زندگيءَ جي علامت!  
 پنهنجي هن جوکائتي سفر ۾، مان پيلي پوشاڪ پهريل ڌرماتما

لامائن کي هماليي تي، معصوم ۽ ابوجهه ڪشميري ڪنٺارين کي پنهنجا ڌڻ ڇاريندي، ماکيءَ کان مٿڙين هيڙن کي پنهنجن رانجهن لاءِ ڏوهيڙا ڏيندي، صوفين ۽ سنتن کي وچوڙي جي ماريل سسٽين جون بيشمار ڪافيون ڳائيندي، ٻڌندي ۽ ڏسندي آهيان. جيئن ئي راتيون پنهنجي ڪاراڻي جي چادر ڌرتيءَ جي مٿان وڇائي ڇڏينديون آهن، ته تارن پري آسمان هيٺ ٽڪا ماندا ڪڙمي ۽ ڪاشتگار منهنجي ڪناري تي اچي آرام يا بندگي ڪندا آهن، ننڍا ٻارڙا سمهندا يا ڪيڏندا آهن، ۽ آيرا ۽ ضعيف مانجهي ۽ مهاڻا مٺيون ۽ سُريليون ڪافيون ۽ گيت ڳائيندا آهن. آءُ انهن سڀني کي پنهنجي سڀني تي پالي نپائي وڌو ڪريان ٿي. هُنن جو مون سان پيار آهي، هو مون کان ڊڄن به ٿا، ڇاڪاڻ ته مان ”سندو“ آهيان، انهن ئي وانگر مهربان ۽ دياوان به ۽ ڇيڙاڪ به. مان ڪيترن ئي جڳن کان هُنن جي واقف آهيان، مون کي اڃان تائين انهن جا بدلجندڙ چهره، انهن جو ننڍپڻ، نينگرڻپ، ڦوهه جواني، پيري ۽ نِسٽائي ۽ ڏيرائيپ، سڀ ياد آهن. مان هِن سڀني کي سڃاڻان ٿي.

مان انهن جي باري ۾ توکي سڀ ڪجهه ٻڌائي سگهان ٿي. مان توکي اڳي اڳي جون ڪهاڻيون ۽ قديم زماني جا قصا، ۽ بادشاهن ۽ راجائن، فاتحن ۽ حڪمرانن ۽ انهن جي زندگيءَ جي لاهن ۽ چاڙهن، دڪ ۽ سڪ جا سمورا داستان ٻڌائي سگهان ٿي - اُهي قصا، اُهي داستان، اُهي افسانا، جي تو اڳ ڪڏهن به شايد نه ٻڌا هوندا. مان توکي اهو سڀڪجهه ڏيکاري سگهان ٿي، جيڪي مون ڏٺو..... چڱو، هاڻي هيڏانهن نهار! اجهو هو سامهون هُنن جو. شان ۽ هنن جي عظمت ڏس. اهو آهي مَهِين جو دڙو! مرد پنهنجين ٻنن ۾ هر ڏيئي

ڪيتي ڪري رهيا آهن، زالون پنهنجن خوشحال گهرن جو ڪم ڪار  
 ڪري رهيون آهن، ۽ ٻارڙا راندين ۾ مشغول آهن. سڀ سڪيا  
 سهنجا، خوش ۽ آباد. هنن جا گهر نهايت ئي سهڻا ۽ سلسليوار آهن.  
 هنن جي بازارين جي توڪ توڪان، گوڙ ۽ هل ڪي ڏس! پوءِ وري  
 هڪ وحشي قوم جو ڪٽڪ اچي ٿو؛ اهي قداور ۽ خوبصورت ماڻهو  
 آهن؛ هو اچن ٿا، ۽ هنن اچڻ شرط بيرحميءَ سان قتل عام ڪري  
 ڏنو. مرد ڪري ۽ مري رهيا آهن. عورتون لڪڻ جي ڪري رهيون  
 آهن ۽ ٻارڙا ڦڙڦوڙ پوڻ ڪري رهيون ڪندا پڄي رهيا آهن! ۽ وري  
 نما شام جي منهن اونڊاهيءَ کان اڳ سڀ ماڻ ٿي ويئي، تنهن ڏينهن  
 اڀري ٿو. هڪ نئين تهذيب جنم ورتو آهي. چوٽه اهو قدرت جو  
 قانون آهي!.... هاڻي ٻڌو! پريان هو ڌڙڪيدار نغارن جو گجنڌر  
 آواز ٻڌ! هنن جي صورت ۽ طاقت، جاهه ۽ جلال ڪي ڇاڇ. اهي  
 سنڌ جي راجائن جون سنسٿائون آهن، جن کي مهاڀارت لڙائيءَ ۾  
 پانڊون خلاف ڪورون جي مدد لاءِ موڪليو ويو آهي. هنن جي  
 عجيب غريب ويسن وڳن، هٿيارن پنوهارن ۽ رتن ڏانهن نهار وري  
 هنن کي غائب ٿيندو ڏس، جيئن ڏوڙيو مٽي آسمان ۾ گم ٿي ويندو  
 آهي!.... ۽ هاڻي وري هو نوجوان جنگي جوڌو سڄيءَ دنيا کي فتح  
 ڪرڻ جي خواهش دل ۾ کڻي نمودار ٿئي ٿو. هنن خيبر کي فتح  
 ڪري ورتو. هو هاڻي جهلم جي پورس راجا کي شڪست ڏيئي  
 اڳتي وڌي رهيو آهي. هنن جي خوبصورت چهري ڏانهن نهار، ۽ هنن  
 جي مٿي تي زهره جي رڪ واري جهرڪندڙ ڪنگيءَ ۽ هنن جي  
 ڊگهيءَ پڻ ڌارين واريءَ ترار کي ڇاچي ڏس. هو وڙهيو ۽ هن فتح  
 حاصل ڪئي. مگر هن جو بي انداز لشڪر گهڻي وقت تائين وڙهڻ  
 ڪري هاڻي ٿڪجي ماندو ٿي پيو آهي. هتي هو پنهنجن خوابن کي

ڪوڙو ثابت ٿيندو ڏسي، مري وڃي ٿو. ۽ هن جا هٿ خالي ۽  
اڪيون ڪليل رهجي وڃن ٿيون! هاڻي نهار.... سندس جرنيل،  
نيروڪس، واپس ورڻ جي سفر لاءِ آرماڙ کي گڏ ڪري رهيو آهي.  
۽ هي پڻ هليا ويا!..... هاڻي وري سفيد چمڙي وارا ”هوڻ“  
لوڪ حملو ڪن ٿا..... بي رحم ۽ قاتل..... هو واڇوڙي وانگر  
تڪڙا اچن ٿا، ۽ ملڪ کي ڦريندا ۽ ساڙيندا، چوڌاري پٽن تي پڪڙبا  
وڃن ٿا، جيئن مان موجون ماريندي ميدانن کي ٻوڙيندي ويندي  
آهيان. پر اهي سڀ ڪٿي آهن؟ هليا ويا..... سڀ هليا ويا،  
اونده اندوڪار ۾، موت جي اونداهيءَ واديءَ ۾. پوءِ ٿوري مهل  
تائين سڀ ماڻ ٿي ويئي. هيءُ سرزمين ماڻيڻي آهي. آسمان تان گردُ  
۽ غبارُ صاف ٿي ويو، ۽ پوءِ هڪ اجنبِي مست وانهڙو اچي ٿو. هيءُ  
هڪ چيني مسافر آهي، هيون سِيانگ، جيڪو علم ۽ سوجهري جي  
ڳولا ۾ رلي رهيو هو. هن کي سوجهرو ملي وڃي ٿو، ڇاڪاڻ ته  
هتي جيڪو به اُن جي ڳولا ڪري ٿو، اُن کي پائي ٿو. انهن ڏينهن،  
سنڌ جي هيءُ سرزمين علم ۽ سوجهري جي ڪاڻ هئي. ڪيترائي  
ماڻهو پنهنجن ڏورانهن ماڳن تان علم جي تلاش ۾ هتي ايندا هئا.  
..... جڳ لنگهي ويا: سوجهرو ۽ اونداهي..... اونداهي ۽  
سوجهرو..... سوجهرو ۽ اونداهي..... پر، زمانن کان پوءِ وري  
بيا ماڻهو آيا، جن هن زمين تي علم ۽ سوجهري جي نئين شمع آندي.  
هو عرب جي ريگستان مان آيريا ۽ دنيا تي چانچي ويا، ۽ آفريڪا ۽  
هندستان جي اونداهين ڪنڊن کي علم جي سوجهري سان روشن  
ڪري ڇڏيائون.... هن جوشيلى عرب محمد بن قاسم ڏانهن نهار!  
هُن جي گجندڙ منجنيقن ۽ طاقتور ڪاٺياڻين کي جاچ! هُن سڄيءَ  
سرزمين کي فتح ڪري ورتو. ۽ هاڻي هو سڄي ملڪ تي حڪم

هلائي رهيو آهي. ڏاڍو پيارو ۽ عزيز آهي. چوٽه جنهن وقت هو  
 موڪلائي وڃي ٿو، هن جا هي نوان دوست هن لاءِ رڙن ۽ روئن ٿا.  
 هن کان پوءِ شوخ ترڪ، قداور تاتاري، مغل، پٺاڻ ۽ انگريز اچن  
 ٿا..... هنن جي پڳل ترارين، ۽ ڦٽيل رت ڳاڙهندڙ دليين ڏانهن  
 نهار!..... ۽ هاڻي هنن سمن ۽ سومرن، ڪلهوڙن ۽ ميرن ٽالپرن  
 جي بهادريءَ ۽ انهن جي پلائيءَ پريل پيشانين ڏانهن ڏس ۽ سندن  
 فضيلت ۽ شان کي ڏس. ۽ پراچين ديبل، برهمڻ آباد ۽ قديم  
 منصوري ۽ محفوظ ڏانهن به نهار! آهي فنا ٿي ويا، ۽ هن وقت سندن  
 نشان به ڪونهي، پر مان اڃا تائين انهن جون پيهه پينهان واريون  
 بازاريون، نون رنگن ۾، نون چهرن سان، ڏسي رهي آهيان. مان اڃا  
 تائين پنيور ڏانهن لڙهندي، ننڍڙيءَ سسئيءَ جو پينگهو پنهنجي  
 ڪناري تي لڏندو لندو ڏسي سگهان ٿي. مان پنهنجيءَ کي ڪيچ جي  
 جبلن ۾ ڏسي سگهان ٿي، جنهن کي سندس دغا باز ڀائر، ڊوهه  
 ڪريو، اٺ جي پٺيءَ تي ٻڌيو ڇاڙهيو وٺيو پيا وڃن. ۽ اجهو هو  
 پريان عمرڪوٽ جون مغرور محلاتون نظر اچي رهيون آهن، جن مان  
 وڇڙيل ماريءَ جي آهن ۽ زارين جو پڙاڏو اچي رهيو آهي. مان اڃان  
 تائين هن جي سوز ۽ فراق کي ٻڌي سگهان ٿي!..... هو  
 پريان..... پٽ تي..... سهڻو سيد لال لطيف پنهنجين مٿڙين  
 لاتين ۽ روحاني راڳن ۾ مست ويٺو آهي. هن وقت هو ڪونهي پر  
 مان هن جا درد پريا بيت ۽ مٿڙا ڪلام اڄ به ٻڌي سگهان ٿي. مان  
 اڃان تائين کيس اهڙو چٽو ٻڌي رهي آهيان، جهڙو هن کي جيئرو.  
 ٻڌندي هيس. هو هڪ لافاني روح، وسيع ۽ اُتر سخي ۽ ٻاجهارو،  
 جذباتي ۽ مهربان آهي. هو هڪ خوبصورت، قداور ۽ خوش اندام  
 آهي. جيئن هو پنهنجون من موهيندڙ ڪافيون ڳائي ٿو، تيئن هن

جُونُ گولُ گولُ ڪاريُون اڪيُون چمڪن پيون، ۽ جڏهن هُو ڏڪارَن  
 ڏوتين کي دعائون ڪري ٿو، تڏهن هن جو چهرو بهڪي اُٿي ٿو. هُو  
 مون سان مخاطب ٿي ڳالهائي ٿو، ڇاڪاڻ ته مان هن کي سمجهي  
 سگهان ٿي، مان هن کي ڪڏهن به وساري نه ٿي سگهان. مون فاتحن  
 جي سوارين کي ايندي ۽ ويندي ڏٺو، پر سنڌ جو فاتح فقط هُو  
 شاهه ٿي آهي، جيڪو ڪڏهن به فنا ٿي نٿو سگهي، ڇاڪاڻ ته پيا  
 فاتح زمينون ۽ ملڪ فتح ڪن ٿا، پر هن ماڻهن جي دلين تي فتح  
 حاصل ڪئي آهي، ۽ هن جي نينهن جو نياپو، هن جي سهڻي سڳندَ  
 پري سارو ٿي، آمر آهن.

هو منڙيءَ سنڌ ۾ الاهي افضل ڳالهيون ڳائي ٿو. پنهنجي من  
 موهيندڙ ڪلام سان هُو ماڻهن جا رخ ڦيريو، تقديرُون ۽ قسمتُون  
 بدلايو ۽ روح کي دائمي راحت ڏيو ڇڏي.

هن جي ڏينهن ۾ ماڻهو ننڍڙين ڪڪارين جُهوپڙين ۽ چونڙن ۾  
 گذارين ٿا. منجهانئن جيڪي سکيا ۽ شاهوڪار آهن، سي حوضن ۽  
 مڇين جي تلاءُن سان سينگاريل اوچن گهرن ۾ رهن ٿا، پر مان انهن  
 جي گهرن ۾ قرب ۽ اتساهه گهٽ ڏسان ٿي. مان پنهنجن انهن غريب  
 مارو ماڻهن کي پسند ڪريان ٿي، جيڪي واهڻن ۽ ننڍڙن ڳوٺن ۾  
 گذارين ٿا، جتي وچ ۾ هڪ ننڍڙي صاف سهڻي مسيت آهي، جنهن  
 جي ننڍڙن منارن تي مؤذن چڙهي عبادتگذار بندين کي پنهنجي مولا  
 جي بندگي ڪرڻ لاءِ سڏيندو آهي، جتي هڪ سرهاڻ پکيڙيندڙ  
 سهڻو مندر آهي، جنهن جي سُريلن گهنڊن جي مٿر آوازن تي پوڄاري  
 سوير گهرن کان پوڄا لاءِ ٻاهر نڪري ايندا آهن. جڏهن هتي جي  
 گهر جا وڏا ڪم ڪن ٿا يا عبادت ڪن ٿا، تڏهن زالون ڪچهري

لايو تهه تهه پيون ڪن، ۽ ننڍڙا من موهندڙ ٻارڙا وري لڪلڪوڻي ۽ اتي ڏڪر راند پيا رهن. هر ڪنهن گهر کي پنهنجي مال لاءِ پنهنجو واڙو آهي، ڇاڪاڻ ته سنڌي مال کي پيار ڪندا آهن.

هن ديس جا سڀوت هميشه ڪلمڪ ۽ خوشمزاج طبيعت جا صاحب ٿي رهيا آهن. ڪم ڪاڄ، پيار ۽ محبت، ڪل ۽ خوشيءَ، لئي ۽ رس جا ڪوڏيا. ميڙن ۽ ملاڪڙن لاءِ هنن جو شوق ۽ پيار ملڪان ملڪ مشهور آهي. سندن عيدون ۽ هوليون گڏجي گذرن، ۽ انهن موقعن تي وڻن وڏيون وڏيون دعوتون ۽ مجلسون، گڏجائون ۽ ڪچهريون ٿينديون آهن. سندن زالون، مائرون ۽ پينرون مٺايون ۽ گل ورهائينديون آهن. اهي پنهنجين ٻانهن ۾ عاج جون ٻانهيون ۽ وڏا چوڙا پائينديون آهن. وڻن هر چنڊ واري مهيني جو پهريون جمعو ۽ هر سهاڻو سومار نهايت ئي وڏيءَ ڌام ڌوم ۽ مزي سان ملهايو ويندو آهي. جڏهن وسڪارو ۽ برساتون پونديون آهن، تڏهن ڳوٺن کان ٻاهر مجلسون ۽ محفلون ڪيون وينديون آهن، جتي يڪتاري ۽ گهڙي تي سُرila ڪلام ۽ ڪافيون ڳايون وينديون آهن. اڄ به مان پنهنجين اکين سان هنن جا رنگ برنگي ناچ ڏسي رهي آهيان، ۽ تنهن زماني ۾ به، بلڪل اڄ وانگي، سگهڙن شاعرن، پنهنجي ملڪ جي سونهن سوڀيا، حسن ۽ نزاکت منجهان ئي پنهنجي شاعريءَ جا مواد ۽ موضوع حاصل ڪيا. هنن منهنجي اٿلن ۽ سيلاني مڃين پلن، واڳن ۽ سيسرن، ۽ منهنجي پوراليءَ طبيعت جي هر روپ رنگ کي پنهنجي شاعريءَ ۾ قلمبند ڪيو. هنن هن ديس جي اٿن ۽ اوئيئڙن، جتن ۽ جهانگيئڙن، لڏن ۽ قافلن، ڪارن ڪڪرن ۽ زرد رنگ نيا بانن، ميهارن ۽ رنديارن، ۽ ڇهچ چراگاهن کي پنهنجي شاعريءَ ۾ آندو. هنن هن

ديس جي کين ۽ لائن، ڪنڊن ۽ ڪانڊيرن، ڪرڙن ۽ ڪپڙن تي بيت چيا. هنن هن سهڻي ديس جي انهن نارين کي ڳايو، جن جي ڪونج جهڙين ڊگهين ڳچين ۾ چانديءَ جون مالهاڻون ۽ هَسَ، ۽ سنهڙين ڪارائين ۾ ڪنگڻ، ۽ ننڍڙن نازڪ پيرن ۾ ڪڙيون ۽ پازيبَ پهريل آهن، سندن مٿي تي واسينگ نانگ جهڙن پنڌور جهڙن ڪارن وارن جون پيچدار ڇڳون ۽ گهنڊيدار ڳئون نڪتل آهن. ۽ سندن مرگه جهڙيون ڪجلدار ڪاريون اڪڙيون مشعل وانگي ٻري رهيون آهن. شاعرن حسين نارين جي پيارن مڙسن ۽ پريمين جي انهن پٿرن ۽ ٻيڙن کي پڻ ڳايو، جيڪي وڻجارن سنڌورڪين کي ورهين جي وچوڙي کان پوءِ واپس ماڳ موٽائي وئي آيون. هنن، گهر ڌيائين جي گهرڙن، چرخن ۽ آڻن کي پڻ ڳايو..... مطلب ته سنڌ جي هن سدا حيات سگهڙن شاعرن، پنهنجيءَ سڀاڄيءَ سونهن ونڊيءَ سنڌ جي هر ڳالهه ۽ هر ادا کي، هر دفعي ڳايو.

ڌرتيءَ جي ڪيڙيندڙ هارين پورهيو ڪيو ۽ پگهر وهايو، زميندار ۽ شاهوڪار انهن جي پگهر واريءَ خسيءَ ۽ ٿورڙيءَ ڪمائيءَ کي به ڳهندا، ڳڙڪائيندا مچندا ٿلها ٿيندا ويا ۽ غريبن کي ٿونها هڻندا رهيا، مگر مفلسيءَ جي هر حال ۾، آسپسن ۽ دعائن حاصل ڪرڻ لاءِ هنن پيرن ۽ سيدن سڳورن جي رکين ۽ لغامن جي واڳن کي هر وقت چمي سيني سان لڳايو. سنڌ جي لافاني شاعر، شاهه، هنن سڀني کي پنهنجي ڪلام ۾ ڳايو، ڇاڪاڻ ته هو هنن جو هو. مان اڃان تائين هن جي روحاني ڪافين ۽ ڪلامن کي ٻڌي سگهان ٿي.

مان آهيان ٻلوان ۽ زور واري سنڌو!..... مان پاڻ سان داءِ رکڻ واري کي اڇلايو ڇڏيان. جن مون سان شرط رکي، انهن هميشه



راند هارائي. جن به مون سان سڀنيو ساهيو پاڻ کي نيسٽ ۽ نايود  
 ڪيائون. پر شاهه مون کي مائو ڪري ڇڏيو. مون هن جي آسپاس  
 شاتي ۽ پيار حاصل ڪيو. مان هن جي دل جي گهراڻي ۽ شاعريءَ  
 جي رواني سان محبت ڪريان ٿي. مان هن جي مٺي ڪلام تي قربان  
 آهيان. هو ڪيترو نه مون جهڙو ۽ ڪيترو نه مون کان اعليٰ آهي!

اوهان جي هن ملڪ ۽ اوهان جي ڪڇي وارن ميدانن جي هن  
 زمين ڪيترين ئي صدين تائين پنهنجن ماڻهن کي لنگهڻ ۽ فاقا  
 ڪڍاريا، چوٽه پاڻي ڪونه هو. منهنجو پاڻي ڪيترن ئي ويران برن ۽  
 ساڙيندڙ ميدانن کي آباد ڪري سگهيو ٿي. پر وقت جي راجائن ۽  
 فاتح حڪمرانن کا خاص پرواهه ڪانه ڪئي، انهن مان ڪن ٿورڙن  
 کي ننڍا ۽ نماڻا واهه ڪوتايا ۽ ٿوري ئي عرصي کان پوءِ منهنجي لت  
 ريت جي واريءَ انهن کي لٽي ڇڏيو. اڄ پهريون دفعو انهن ماڻهن  
 لاءِ چاهه پريل، سڄيءَ پڇيءَ دل واري ڪوشش ڪئي ويئي آهي،  
 جيڪي منهنجي نالي پويان سڏجن ٿا، سکر وٽ هڪ زبردست بئراج  
 منهنجي پيٽ ۾ سوگهو بيٺل آهي. آءُ اوهان کي اوهان جي ڪم ۾  
 ساڻس ڏيئي رهي آهيان، ڇاڪاڻ ته منهنجو اوهان سڀني سان پريم  
 آهي ۽ اهو اوهان جي ئي فائدي لاءِ آهي. ڪوتڙيءَ وٽ پڻ اوهين  
 منهنجي پل واري گهوڙي تي نون سجن وجهڻ جي ڪوشش ڪئي،  
 ۽ مون انهيءَ لاءِ اوهان کي اجازت ڏني. پنهنجي زمين ۽ ٻنين کي آباد  
 ڪريو، مان چوانو ٿي، سونهري ڪڻڪ پيدا ڪريو، ڪيڙيو ۽ کائو،  
 پيئو، پهريو ۽ خوش گذاريو! مان اوهان کي نه روڪينديس. منهنجو  
 پاڻي ڪٿي وڃو، ۽ مون کي اهي قديم ۽ اڳي اڳي وارا خوشيءَ جا  
 ناچ ۽ راڳ رنگ ڏيکاريو! مون کي اهي تهڪ ٻڌايو جيڪي دلين مان

اڌما ڏيئي نڪرندا هجن. مان اوهان کي سيڪجھ ڏيئي ڇڏينديس،  
 جيڪي ڪجھُ مون وٽ آهي.... ۽ مون وٽ ان کان تمام گهڻو  
 آهي، جيتري جي اوهان کي گهرج آهي. ڇاڪاڻ ته مان آهيان ٻلوان  
 ۽ طاقتور سنڌو..... مان آهيان اجيت ۽ امر سنڌو..... مان  
 آهيان اٽڪ، مان آهيان جهلم، مان آهيان چناب، مان آهيان راوي،  
 مان آهيان بياس، مان آهيان ستلج..... مان آهيان مهراڻ، انهن  
 سڀني جي اُپت ۽ جوڙ! مان آهيان سنڌو..... مان آهيان مها ٻلوان،  
 اجيت ۽ امر سنڌو.

## شاھ ڪريم رحمہ

تون چَوَ الله هيڪڙو، وائي ٻي مَ سِڪُ،  
سچو اڪرُ من ۾، سوئي لکيو لَڪُ.

پريان سنڌي ڳالهڙي، جي ڪو ٻي ڪري،  
مت منهنجي ڪن ڪر، تنهن کي جاب نه ڏي.

هنيون ڏجي حبيب کي، لڳ گڏجن لوڪَ،  
کڏيون ۽ ڪروتيون، اي پڻ سڳر توڪَ.

وَرُ سا سُڃي ويڙ، جتي سڄڻ هيڪڙو،  
سو ماڳوئي ڦير، جتي ڪوڙ ڪُماڙهين.

جي پيڻا سي نه منجهڻا، جي پڇن سي ويرَ،  
جو لڳڻ ۾ ماڻهوين، سو ڪُلڪڻ ۾ ڪير.

تان ڪي ڳوري چُلُ، جان لاڙائو سچُ تڻو،  
هاڙي ڌاري هُلُ، وڃي هوتن جو تڻو.

شاه عبد اللطيف ڀٽائي رحه

اول الله عَلِيمُ، اعليٰ عالم جو ڌڻي،  
قادرُ پنهنجي قدرت سين، قائم آه قديم،  
والي، واحد، وحده، رازق، رب رحيم،  
سو ساراه سچو ڌڻي، چئي حمدُ حڪيم،  
ڪري پاڻ ڪريم، جوڙون جوڙ جهان جي.

جوڙي جوڙ جهان جي، جڏهن جوڙيائين،  
خاوند خاص خَلقي، محمدُ مڪائين،  
ڪلمو تنهن ڪريم تي، چتو چاڀائين،  
انامولالك و انتَ محبوبِي اي اُتائين،  
ڏکي ڏنائين، ٻئي سرائون سيد چئي.

جوڙي جوڙ جهان جي، جڏهن جوڙيائين،  
خاوند خاص خَلقي، محمد مڪائين،  
ڏکي ڏنائين، ٻئي سرائون سيد ڪي.

وحده لاشريڪ له، جان ٿو چئين ايئن  
تان مڃ محمد ڪارڻي، نرتون منجهان نينهن  
تان تون ويڻو ڪيئن، نائين سر پين ڪي

وحده لاشريڪ له، جڏهن چيو جن،  
تن مڃيو محمد ڪارڻي، هيڃا ساڻ هنيڻ،  
تڏهن منجهان تن، اوڻڙ ڪونه اولئو.

وحده لاشريڪ له، جن اُتو سين ايمان  
تن مڃئو محمد ڪارڻي، قلب ساڻ لسان  
او فائق ۾ فرمان، اوڻڙ ڪنهن نه اولئا.

### وائي

اڪيون ميگه ملار، صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.  
سجدو ڦيلَ في الحال ڪيو، پسي مُطلبَ نُوڙ نراڙ  
ڇاپڻَ وقتِ ڄام جي، ڪريا ڪُنڱرا ڪوت ڪُنارَ،  
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.  
اڳي سڀُ اُين جو، توکي ڪاريو سيرُ ستار  
والسوف يُعطيڪ رِيڪ، توسين قادرِ ڪيا قرار  
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.  
قادر پاڻَ قَسَم ڪيا، خاڪَ قَدَمِ جا ڪلتارَ  
آهن ڪرم ڪريم جا، احمد ساڻ اڀار  
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.  
اُڪنديا جي اُبرڪي، سَرها ٿيا سي سنگهارَ  
موڪل ٿي مينهن ڪي دوس هتان دِلدارَ  
صورت تنهنجي سڀ جڳُ موهيو.

مخدوم محمد هاشم نٿوي ۽

محبت مچ مجاز جا، دل ۾ داغ ڏکن،  
مَنَ مونجھارا مُون پرين، وير نہ وسرن،  
سنجھي صبح سامھان، اڳيان اکڙين،  
راتو ڏينھان روح ۾، ميڙو محبوبن،  
کامي دل خمار ۾، لوچي لٽ پرين،  
سگھہ ساٿ نہ ڇنڊڙو، سدا منجھہ ڏکن،  
آرتو اوتيان اکين، ساريو سپرين،  
مُونَ واجھيندي وره ٿيا، الا مان ملن،  
سڪي سڄڻ گڏڻا، پڄاڻان ورھن،  
گوندر لٽا ڇنڊڙي، پسي کي پرين،  
واٽون وڻ ٿڻ واسٽا، سرھائون سيرن،  
آءُ پڻ مڪيان مُنھن کي، پٿي جا پيرن،  
ڪريان سرمو اکين، سندي ڪھہ کڙين.

## سچل رحه

جي هجين عاشق، ته بر سر مينهن محبت جو وساءِ،  
ساه جو سانگو ڪرين، تان پيرهن پڙ ۾ نه پاءِ.

پاڻ ڪل قربان ڪر، هيءَ دم هٽڻ جي ٺاهه ڄاءِ،  
آءُ ادا اعتبار ڪر، آهوش نيندر هيءَ هواءِ.

رت روئڻ راتو ڏينهان، آهي لڄڻ محبوب لاءِ،  
هي ملئي سودو سهانگو، ڪينڪي سرڪون سواءِ.

ڪينڪي مون کان ٿيو، عمر تان وڃي اجاءِ،  
هٿ وساري نبي ويهن، جاني نه توکي هٿن جڳاءِ.

هيءَ مهل مڇاري ٿئي، پوءِ ڪرين هاءِ هاءِ،  
”هاءِ هي“ مون هٿ نه ايندءِ، ويل ويندءِ واءِ واءِ!

هيءَ حقيقت حال جي، ساري وڃي ساڻين سٿاءِ،  
سو سچو مرشد سچوءَ جو، پير عبدالحق آه.

## خليفو گل محمد

دور دنيا جي مٿي، اي دل ڪئين آيا ويا،  
سڪ مٿي سورن سٿي، اي دل ڪئين آيا ويا.

ڪي سوداگر رات ڏينهان، منجه وٺڻ وڪڻڻ خراب،  
ڪوڙ دنيا جا ڪٿي، اي دل ڪئين آيا ويا.

ڪن ڪيون پوکون، ٿيون پريوري پاڻي جڏهن،  
پوءِ پڪي، هنڌيون هٿي، اي دل ڪئين آيا ويا.

باند ڪئين بحر ۾، لڙهندا وتن پاڻيءَ مٿي،  
پيا سُڪي پاڻيءَ لٽي، اي دل ڪئين آيا ويا.

”گل“ حقيقت تو پڇين، ڪهڙي دنيا جي دور جي!  
ڪا خبر ڪنهن کي آئي، اي دل ڪئين آيا ويا.



آجیان = خاطر تواضع، خوش	آڈ = نصف، آدھا، نیم
آمدید، خیر مقدم	آدنگی = بدافعال، بدچال
آچ = پیشکش، تجویز	آس = تپش، گرمی، دھوپ
آذر پاء = مرحبا، تعظیم	اسان = ہم، ہم سب، ہم لوگ
آڈو = سامنے، روپرو	اُکیر = چاہت، پیار، محبت
آرماڑ = جنگی جہازوں کا بیڑا	اُکر = حرف، لفظ، سخن
اُکیرو = اشیانہ، گھونسلا	اُگڑ = اگلا حصہ، ابتدا، شروع
آنداء = آنتیں	اُگیرو = تھوڑا آگے، کچھ آگے
آٹن = حاضر کرنا، لانا، لے کر آنا	اُگوان = رہبر، پیشوا
آء = میں، خود	اُگیان = آگے، سامنے پہلے
اُوجھ = سادہ لوح، بھولا بھالا، نادان	اُگھائ = قبول کرنا، منظور کرنا، پسند کرنا
ایرو = بے وسیلہ، بے سہارا	الوت = مخمور، مدہوش
آتان = وہاں سے، اسی جگہ سے	اُنبار = ڈھیر، ذخیرہ
اُٹن = اٹھنا، جاگنا، بیدار ہونا	اوتارو = منزل، آستانہ، مکان، دائرہ
اُنٹ = اونٹ، شتر	اوٹي = اونٹن والا، شتربان، تیز رفتار قاصد
اپار = بے انتہا، بیحد	اوجتو = اچانک اتفاقاً
آپت = پیدائش، آمدنی، حاصلات	اوڈو = پاس، نزدیک، قریب
اجایو = بے جا، فضول، غیر ضروری	اوڈن = پہننا، اوڑھنا
اُجرو = اجلا	اوسیزو = انتظار، فکر، خیال، اندیشہ
آج = آج، ابھی، اب، فی الحال	اوطاق = مہمان خانہ
اُج = پیاس، تشنگی	اوقتو = اجنبی، غیر، بیگانہ،
اُجیل = پیاسا، تشنہ	
اُجا = ابھی تک، ہنوز، تادم	

ناواقف	تچ = ذرا سی، تھوڑی سی
عرض اونا یو = عرض قبول کیا	تڏهن = تب، اس وقت، پھر
اهيان = نشانیاں، علامات	تيڏانهون = اس طرف سے، وہاں
أهو = وہ	ٽڪو = داغ، دھبا، بدکاری کا
ايترو = اتنا، اس قدر	الزام
باک قتن = بویھوٺنا، صبح صادق	ٽيئي = تینوں
ہونا	ٺھ ٻھ = فوراً، ایک دم
ٻڃان = نفرت دلانا، خفا کرنا،	پاڙو = محلہ، پڙوس
ببزار کرنا	پاڻ = خود
بند = قید، جیل	پاڻي = آب، جل، پانی
ٻانهو = بندھ، غلام، نوکر	پٽاندڙ = مطابق، موجب، موافق
ٻانهيون = چوڙیاں	پڇاڙي = آخر، انت، انتها، اختتام
ٻڌڻ = سننا، معلوم کرنا	پرکڻ = آزمانا، جانچنا، پرکھنا
ٻرانگھون = در قدم کا فاصلہ	پرٿائڻ = شادی کرنا، بیاہ کرنا
ٻول = واعدہ، قول، اقرار، انجام	پروڙ = خبر، واقفیت، علم
ٻھڪ = چمک تازگی، روشنی	پريان = تھوڙا دور
ٻھڪڻ = چمکنا، مھکنا، مسرور	پریت = محبت، پیار، چاہت
ہونا	پرین = محبوب، معشوق
ٻئي = دونوں	پڪ = یقین، تصدیق، تسلی،
ٻيرا ٻيرا = ٽڪڙے ٽڪڙے	برابر
ٻيڙي = کشتی، ناؤ	پکو = جھونپڙی
ٻيلا = جنگلات	پوک = آبادی، فصل، کاشت،
ٻٽار = شوھر، خاوند	کھیتی
ٻر = کنارہ، پاس	پکي = پرندہ
ٻلي ٻٽ = اچھی طرح	پگھر = پسینہ

پنو = کاغذ	جھٹکے = تنبیہ، دھمکی، ڈانٹ
پنہنجی = اپنی	چارن = گانے والا فقیر
پن = بھی	چارو = پگڈنڈی
پٹی = خاک، مٹی	چت = توجہ، فہم، سمجھ، خیال
پہ = خیال، فکر، تجویز	چتو = شفاف، ظاہر
پویان = پیچھے	چگو = اچھا، خوب، بہلا
پینگھو = جھولا، گھوارہ	چگئیء طرح = اچھی طرح، بہتر
پیہ = انبوہ، جھمگٹ	طریقے پر
جتان = جہاں سے، جس جگہ سے	چنڈ = چاند، قمر
جڈھن = جب، جس وقت	چنی = ایک قسم کا دوپٹہ
جر کندڑ = چمکدار	چوڈاری = چاروں طرف، ارد گرد
جگ = جہان، سنسار، دنیا	چوڈھین = چودھویں (رات)
جندو پاڑو لکني ڈیٹ = گھر داماد	چونڈن = چننا، انتخاب کرنا،
بننا قبول کرنا	پسند کرنا، معافی دینا
جو = کیونکہ، چنانچہ	چون = بولنا، کہنا، ہدایت کرنا
جو کائتو = نقصانکار، پر خطر	چیراک = چڑچڑا، جوشیلا، غصہ
جہڑو = جیسا	ور
جیڈانھن = جس طرف، جہاں،	چڈن = چھوڑ دینا، چھوڑنا، آزاد
جدھر	کرنا
جیکو = کوئی بھی، وہ	دہلی = ڈبیا، ڈبی
جین = جیسے، جس طرح	دادلو = لاڈلا، پیارا، منجلا
جاٹو = جاننے والا، واقف،	ڈار = علحدہ، الگ، جداگانہ
سمجھنے والا	ڈاری = غیر
چیج = برات	ڈکار = نفرت، بیزاری، حقارت
جھچن = کڑھنا، رونا	ڈنار = چرواہا، گوالا

دَنَ = ریوڑ، گلہ	رَدَل = مشغول، مصروف
دَوڑیو = گرد و غبار کا طوفان،	رِگو = صرف، فقط، محض
جھکڑ، بوچھاڑ	رِن = بیابان، صحرا، ویرانہ
دِی = بیٹی، دختر، بنت	روچُ راڑو = ماتم، کھرام
ڈاگھ = چتا، آگ	رہا کُو = باشندہ
ڈہرائی = دبلا پن، ضعف، لاغری	ریجھائِن = راضی کرنا، خوش کرنا
ڈکوئِن = دکھانا	زال = بیوی، بیگم، زوجہ
ڈوٹی = مکین، دیہاتی، جنگلی	سارام = تعریف
پہل پھول پر گزارہ کرنے والا	ساروٹی = یاد
ڈمر = غضب، غصہ، ناراضگی،	سامائجن = سن بلوغت کو
عتاب	پنہچنا، بالغ ہونا
ڈورانہن = دور دراز	سامہون = سامنے، آگے، روپرو
ڈولاٹو = گردش، مصیبت، قحط،	سان = سہ، ساتھ، مع، قریب
افراتفری	سانگو = آسره، بھروسہ، خیال،
ڈونگر = پہاڑ، پریت، کوه	موقع، تعلق
ڈوہی = مجرم، ملزم، گنہگار	ساٹی = مددگار، حمایتی، ساتھی
ڈھاگ = انڈاپا، نحوست،	ساہم = سانس، نفس، دم، حیاتی
بدنصیبی	ساہیڑی = سکھی، سہیلی
ڈینہن = دن، روز	سٹون سٹن = تجاویز کرنا، سازش
ڈیہم = دیس، ملک	کرنا
ڈین = دینا	سجاگ = بیدار، ہوشیار
دگھی = لمبی	سجیون = ثابت، تمام
دوہم = دھوکہ دینا، فریب دینا	سِجا = ویران، اجاڑ، تباہ، برباد
دِنڈ = جھیل	سیجائِن = پہچاننا، جاننا، پرکھنا
رِٹ = رائے، مشورہ، صلاح	سدائِن = ہمیشہ، دائم

سَدَّ = خبر، علم، آگاہی	کاوڑ = غصہ
سرس = وافر، زیادہ، زائد، بہت	کَٹّی = ثریا، پروین
سکٹو = خالی، کھوکھلا	کَٹک = فوج، لشکر
سڳند = خوشبو، مہک	کنور = بیرحم
سگھو = جلد	کجھہ = قدرے، تھوڑا، کچھ
سگ = رشتہ، نسبت	کڈو = برا، خراب، بدچلن
سنیہو = پیغام	کڈھن = کب، کبھی
سٹائٹ = سنانا، بتانا، کہنا	کڈیٹ = نکالنا، خارج کرنا
سٹائی = آسانی	کُر = نسل، خاندان
سواد = ذائقہ، مزہ	کڑمی = کسان، کاشتکار
سویاوان = حسین، خوبصورت	کڑکیا = نازل ہوئے
سوجھرو = اجالا، روشنی	کک = بیزار، خفا، تنگ
سوکڑیون = تحفہ، سوغات	ککڑ = گھٹا، ابر، بادل
سہانگو = سستا، ارزان	کن پرن = بھکانا
سونھن = خوبصورتی	کنیر = کمہار
سُہائو = روشنی، تجلی	کنڈ = کونا، گوشہ
سیٹام = وہ مشکیزہ جس کو ہوا	کوڑو = جھوٹا
سے بھر کر دریا میں تیرتے ہیں	کَین = بہت سے، لاتعداد، کئی
قائٹ = پھٹ جانا، پھٹنا	کل = ہنسی، مذاق، دل لگی
قرہی = لکڑی کی پٹی، تختی	کاڈو پیتو = کھانا پینا، دانہ پانی
قرقوت = بھگدڑ، ہراس، کھلبلی	کتوری = مشک
کاراٹ = سیاہی	کڑک = خبر
کارٹ = سبب، باعث، وجہ	کوٹن = کھدائی کرنا
کارٹی = کسے سبب، وجہ سے	کوہ = کنواں
کارون = آہ و زاری، عاجزی	کیر = دودھ

گھوڑ = قربان، صدقہ، نچھاور	کٹی = دھوبی
لاڈ کوڈ = ناز نخرہ، لاڈ پیار	گاہ = گھاس، چارا
لاڑ = سندھ کا جنوبی حصہ	گدلو = میلا کچیل، گدلا
لاڑائو = اترنے والا، غروب ہونے والا	گڈ = ساتھ
	گڈجن = مل جانا
لاء = واسطے، کے لئے	گڈجاٹی = ملاپ، وصال، ملاقات
لج = شرم، حیا، لاج، غیرت، آبرو	گڈ کرن = ملانا، شامل کرنا
لچن = تڑپنا	گوڑ = شور، غل
لڈی = کوچ کر کے	گوندر = فکر، غم، ملال
لڑکے = آنسو، اشک	گاٹ = گردن
لڈڑو = ایک قسم کا آبی جانور، سگ آبی	گالھ = بات
	گالھیون = تذکرہ، داستانیں، باتیں
لقاء = نظارہ، تماشا، دیدار	گجھ = رازداری، پردہ پوشی، مخفی
لک = درہ، پہاڑی، راستہ	گج = بڑا ٹکڑا
لگ پیگ = تقریباً، لگ بھگ	گچی = گردن
لگ = عضو، انگ	گوٹ = گائوں
لنگھی = گذر کر، آگے نکل کر، بڑھ کر	گولائو = ڈھونڈنے والا، متلاشی
لوئی = عزت کا کپڑا، اونی چادر	گھٹا = زیورات، گھنا
لیڑون لیڑون = چیتھڑے، دھجیاں	گھاتی = گہری، قریب
مان = خاموشی، سکوت، آرام	گھتائی = کمی، قلت، کوتاہی
مانو = ڈھیلا، سست	گھر = طلب، تقاضا، مانگ
مانیٹو = خاموش طبع، کم گو، سنجیدہ	گھرواری = گھروالی، بیوی، مالکن
ماکی = شہد	گھوت = دولہا

نانء= نام	ماگ= جگہ، مقام، ٹھکانا
نپائٹ= پالناپوسنا، پروان چڑھانا	مائک= ہیرا، جوہر، گوہر
نڈٹکا= لاوارث، بے سہارہ،	مائٹ= بسر کرنا، گزارنا
نادار، عاجز	مائٹھو= شخص، بشر، فرد
نراڑ= پیشانی، ماتھا	ماء= ماں، والدہ
نرملتا= پاکیزگی، اجلا پن	مٹان= اوپر
نروار= ظاہر ہونا	مٹیرو= بہادر، دلیر
نندن= ملامت کرنا، مذمت کرنا	مٹ= برابر، لائق، ہمسر
ننڈ= نیند، آرام، بے خبری	منیان= غصہ، چڑ، ناراضگی
ننڈپٹ= بچپن	مچ= آگ کا ڈھیر
ندیو= چھوٹا، حقیر، تھوڑا	مدایون= برائیاں، خطائیاں
نویکلائی= تنہائی، علحدگی،	مرک= ظرف، واجب، موزون
فرصت	مرگھ= ہرن
نہارن= گھورنا، تکنا	مڑم= لاش، جنازہ
نئون= نیا	مگٹھار= مانگنے والا
نیائی= بیٹی، دختر، لڑکی	موٹی= لوٹ کر
نیٹ= آخرکار	مور= اصل، بنیاد، جڑ
نینگر= لڑکی	موکٹ= سرخرو ہونا، کامیاب ہونا
واٹھڑو= راہگیر، مسافر	مون وٹ= میرے پاس
واپاری= تاجر، سوداگر، بیوپاری	موہجن= گرویدہ ہونا، فریفتہ ہونا
واجٹ= نقارہ اور ڈھول کی بلند	مہاٹا= ماہیگیر، مچھیرے
آواز	مہل= موقع، دفعہ، مرتبہ
واڈایون= مبارک بادیاں	میندی= مہندی، حنا
وال= بال	نابری= قطعی انکار
وارو= باری، والا، نویت، کا	نار= عورت، بیوی

واری = ریت	وسکارو = برکھا، برسات
واڑو = تھان، مویشیوں کی باڑ	ولہا = مفلس، لاوارث
واس = خوشبو، مہک	ون = درخت
واگون = مگر مچھ	وٹجارو = سوداگر، تجارت کرنے والا
وانگر = جیسا، مانند	وویک = ضمیر، دل، قلب سلیم
واہرو = مددگار	وھیٹو = اختیار میں، بس میں
واہیری جی ویل = پرندوں کا	ویڈن = ظلم، اندھیر
آشیانوں میں بیٹھنے کا وقت	ویر = وقت، ساعت، دم، وقفہ
واہن = چھوٹا گائوں، دیہات	ویر = بہادر، دلیر
واء = ہوا	ویرم = دیر، تاخیر
وترو = جلد، تیز	وینتی = التجا، عاجزی
وت = شے، چیز	ویٹ = عتاب، طعنہ، گالی
وجھ = موقع	ہاج = کام
ویجن = جانا	ہاک = تعریف
وچ = بیچ	ہاٹی = اب
وچان = درمیان سے	ہشائی = اونٹن کو بٹھا کر، جھکا کر
وچولو = سندھ کا درمیانی خطہ	ہگاء = خوشبو، مہک
وچوڑو = فراق، جدائی	ہنجه = آنسو، اشک
وچائن = بچھانا	ہنڈین ماگین = ہر جگہ، ہر جا
وڈن = بڑھنا	ہیج = شوق، چاہت
وڈو = بڑا	ہوڈ = حجت، بازی
وڈن = کاٹنا، قطع کرنا	ہیٹ = نیچے
ورلاپ = نالہ، بین	ہینٹون = دل، قلب
ورہائن = بانٹنا، تقسیم کرنا	ہیکڑو = اکیلا، واحد
وڑ = لحاظ، احسان	



# پڙهندڙ نسل . پ ن

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾ عبدالله حسين ”اُداس نسلين“ نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻِڪَ ”لڙهندڙ نسل“ نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ ئي لکيو:

انڌي ماءُ جڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ  
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لڙهندڙ، ڪڙهندڙ، ڪڙهندڙ، ٻرندڙ، چُرندڙ، ڪِرندڙ، اوسيئڙو ڪَندڙ، پاڙي، ڪاڻو، پاڇوڪڙ، ڪاوڙيل ۽ وڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سگهجي ٿو، پر اسان انهن سڀني وچان ”پڙهندڙ“ نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان ڪڍي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعني e-books ٺاهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهڻ ۽ هِڪَ ٻئي کي ڳولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻڻَ جي آسَ رکون ٿا.

پڙهندڙ نسل (پَن) ڪا به تنظيم ناهي. اُن جو ڪو به صدر، عهديدار يا پايو وجهندڙ نه آهي. جيڪڏهن ڪو به شخص اهڙي دعويٰ ڪري ٿو ته پَڪَ ڄاڻو ته اهو ڪُوڙو آهي. نه ئي وري پَنَ جي نالي کي پئسا گڏ ڪيا

پڙهندڙ نسل . پ ن The Reading Generation

ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو ته پڪ ڄاڻو ته اهو به ڪوڙو آهي.

جهڙيءَ طرح وڻن جا پن ساوا، ڳاڙها، نيلا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اهڙيءَ طرح پڙهندڙ نسل وارا پن به مختلف آهن ۽ هوندا. اهي ساڳئي ئي وقت اداس ۽ پڙهندڙ، ٻرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وڙهندڙ ۽ پڙهندڙ به ٿي سگهن ٿا. ٻين لفظن ۾ پن ڪا خصوصي ۽ تالي لڳل ڪلب Exclusive Club نه آهي.

ڪوشش اها هوندي ته پن جا سڀ ڪم ڪار سهڪاري ۽ رضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي ته ڪي ڪم اجرتي بنيادن تي به ٿين. اهڙي حالت ۾ پن پاڻ هڪٻئي جي مدد ڪرڻ جي اصول هيٺ ڏي وٺ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پنن پاران ڪتابن کي ڊجيٽائيز digitize ڪرڻ جي عمل مان ڪو به مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نه ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊجيٽائيز ڪرڻ کان پوءِ اهم مرحلو ورهائڻ distribution جو ٿيندو. اهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو ته ڀلي ڪمائي، رڳو پنن سان ان جو ڪو به لاڳاپو نه هوندو.

پنن کي کليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي ته هو وس پئانڊڙ وڌ کان وڌ ڪتاب خريد ڪري ڪتابن جي ليکڪن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي همٿائين. پر ساڳئي وقت علم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪنهن به رڪاوٽ کي نه مڃن.

شيخ اياز علم، ڄاڻ، سمجھ ۽ ڏاهپ کي گيت، بيت، سٽ، پُڪارَ  
سان تشبيهه ڏيندي انهن سڀني کي بمن، گولين ۽ بارود جي مد مقابل  
بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو ته:

گيت به ڄڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪرڻ ٿا.

... ..

ڄڻ ڄڻ جاڙ وڌي ٿي جڳ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ چڻ ٿا؛  
ريٽيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي منجهه پهتا چڻ ٿا؛

... ..

ڪالهه هيا جي سُرخ گلن جيئن، اڄڪلهه نيلا پيلا آهن؛  
گيت به ڄڻ گوريلا آهن.....

... ..

هي بيت اٿي، هي بم - گولو، جيڪي به کڻين، جيڪي به کڻين!  
مون لاءِ ٻنهي ۾ فرق نه آ، هي بيت به بم جو ساٿي آ،  
جنهن رڻ ۾ رات ڪيا راڙا، تنهن هڏ ۽ چم جو ساٿي آ -

ان حساب سان اڻڄاڻائي کي پاڻ تي اهو سوچي مڙهڻ ته ”هاڻي  
ويڙهه ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نه وڃايو“ نادانيءَ جي  
نشاني آهي.

پڻ جو پڙهڻ عام ڪتابي ڪيڙن وانگر رڳو نصابي ڪتابن تائين  
محدود نه هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج  
۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڍي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي  
پاليسيون policies اڻڄاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پڻ نصابي ڪتابن  
سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين  
ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ نسل جا پَن سڀني کي چو، چالاءِ ۽ ڪينئن جهڙن سوالن کي هر بيان تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوٺ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جواب ڳولڻ کي پنهنجو حق، فرض ۽ اٽل گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان به پڙهڻ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي ان سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا، بس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون پاڪي پائي چيو ته ”منهنجا پاءُ  
 پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَن پَن جو پڙلاءُ.“  
 - اياز (ڪي جو بيجل ٻوليو)